انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں　　　　ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

راحت گڑھ تاریخ کے آئینے میں

اٹھارہ سو اٹھاون تک باحوالہ تاریخ

از

مفتی جنید احمد قاسمی

راحت گڑھ تاریخ کے آئینے میں

Rahatgarh

In The Light Of The History

اردو، فارسی، ہندی اور انگریزی کی سینکڑوں کتابوں میں تلاش و جستجو
اور متعدد افراد سے گفت و شنید کے بعد محقّق اور باحوالہ راحت گڑھ کی تاریخ

مرتب

مفتی جنید احمد قاسمی

مدرس: مدرسہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مسجد بنگلہ والی بینا ضلع ساگر (ایم پی)

نام کتاب: راحت گڑھ تاریخ کے آئینے میں

مرتب: جنید احمد قاسمی، راحت گڑھ ضلع ساگر (مدھیہ پردیش)

تاریخِ ترتیب: جمادی الاخری ۱۴۴۳ھ مطابق جنوری ۲۰۲۲ء

کمپوزنگ: راحت گرافکس بینا

ناشر: دعوت حق ایجوکیشن سوسائٹی بینا

فہرست مضامین کتاب

پہلا باب

تعارف

راحت گڑھ صوبہ مدھیہ پردیش کے ضلع ساگر میں ایک تاریخی تحصیل ہے، یہ قصبہ دار السلطنت بھوپال سے تقریباً ۱۴۰ کلومیٹر شمال مشرق اور ساگر سے ۴۰ کلومیٹر مغرب میں واقع ہے، جغرافیائی لحاظ سے جنوب اور شمال دونوں جانب دور تک پہاڑی سلسلہ ہے جبکہ جانبِ مغرب میں بینا ندی بہتی ہے، جو آگے بیتوا میں مل جاتی ہے، ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق راحت گڑھ کی آبادی ۳۱۵۳۷ (اکتیس ہزار پانچ سو سینتیس) ہے، جن میں مردوں کی تعداد 16524 اور عورتوں کی تعداد ۱۵۰۱۳ ہے، سینسس ۲۰۱۱ ڈاٹ کوم ڈاٹ اِن (https://www.census2011.co.in/) کے مطابق راحت گڑھ میں مسلم آبادی 52.72% فیصد، ہندو 44.20% فیصد، جین 2.77% فیصد، عیسائی 0.17% فیصد، سکھ 0.04% فیصد، بدھسٹ 0.03% فیصد، اور لامذہب 0.08% فیصد، ہے۔ راحت گڑھ تحصیل کے تحت ۱۴۱ گاؤں ہیں۔

راحت گڑھ انگریزی دور میں

گزیٹئر آف دی سینٹرل پروونسیز ۱۸۶۷ء کا مرتب راحت گڑھ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"راحت گڑھ ایک بہت بڑا قصبہ ہے جو بینا ندی کے کنارے پر واقع ہے، وہ بہت دلکش اور خوبصورت مقام ہے، وہاں ایک ڈاک بنگلہ ہے، اور یہ جگہ ساگر کے باشندوں کے لیے آب و ہوا کی تبدیلی کے واسطے ایک پسندیدہ ریزورٹ ہے، یہاں ۱۴/ محرابوں والا ۱۸۵۸ء میں ایک شاندار پل محکمۂ تعمیراتِ عامہ نے تعمیر کرایا ہے، جو ۱۸۶۳ء میں مکمل ہوا، اس کی لاگت ۵۶۰۰۰ روپئے ہے، یہ قلعہ سے تقریباً ایک میل دور ہے، اس کے اوپر بھوپال بمبئی سڑک گذری ہے۔

جمعہ کے دن یہاں ہفتہ واری بازار لگتا ہے جس میں ہر قسم کے اناج کے ساتھ مذکورہ بالا اشیاء فروخت ہوتی ہیں، قلعہ سے ملک کے ارد گرد کا نظارہ اور دریائے بینا جو اس پہاڑی کی بنیاد میں بہتا ہے؛ جس پر قلعہ ہے بہت

خوبصورتی اوردل چسپی کا حامل ہے، یہاں ایک سرکاری اسکول قائم کیاگیاہے، جس میں یومیہ حاضری اوسطاً ۵۲/طلبہ ہے[1]۔"

اوراس میں ۱۰۶۸/مکانات ہیں جن کی آبادی ۴۲۶ ۳/ہے[2]۔

انگریزی دور میں کاروبار

انگریز لکھتاہے: "یہاں کوئی خاص تجارت نہیں ہے، البتہ دیسی ساخت کے جوتے بڑی مقدار میں اور بہترین معیار کے بنائے جاتے ہیں، انھیں ساگر اور بھوپال کے مختلف قصبوں میں فروخت کے لیے بھیجا جاتا ہے، "دوسوتی" نامی ایک قسم کا مقامی کپڑا بھی بڑے پیمانے پر تیار کیا جاتا ہے اور برآمد کیا جاتا ہے[3]"۔

ایک دوسری رپورٹ کے مطابق راحت گڑھ میں کانچ کی چوڑیاں بھی بنائی جاتی تھیں، چوڑیاں بنانے والے مسلمانوں کو شیشہ گر اور ہندؤں کو کچھیرا کہا جاتا تھا[4]۔

تاریخ

یہ قصبہ تاریخی لحاظ سے انتہائی قدیم ہے، چندیل، پرمار، گونڈ، مغل، افغان (نوابانِ بھوپال)، سندھیا اور برٹش سلطنتوں کے عروج وزوال کا شاہد ہے، برطانوی فوجی انجینئر الیگزنڈر کننگھم نے ۱۸۷۰ء میں اپنی تلاش کے دوران راحت گڑھ میں ایک کتبہ پایا، یہ کتبہ محکمہ آثارِ قدیمہ ساگر یونیورسٹی میں موجود ہے، اس کتبہ میں کل ۱۴ سطریں ہیں جن میں سے صرف شروع کی ۵ سطریں ہی پڑھی جانے کے قابل ہیں، باقی سب مٹی ہوئی ہیں، الفاظ کا رسم الخط تیرہویں صدی عیسوی کا ناگری ہے، زبان اس کتبہ کی سنسکرت ہے، کننگھم کے مطابق اس پر دھارکے پرمار راجا" جے سنگھ دوم (دوسرا نام جے ورمن دوم) کا نام کندہ ہے، اوراس پر ۷ بھادوں سنہ ۱۳۱۲سمبت بروز پیر درج ہے، جس کی مطابق تاریخ ۲۸/اگست ۱۲۵۶ء ہے"۔[5]

---

[1]۔ گزیٹئر آف دی سینٹرل پرووِنسیز ۱۸۶۷ء صفحہ

[2]۔ دی گزیٹئر آف سینٹرل پرووِنسیز صفحہ ۴۲۴۔

[3] گزیٹئر آف دی سینٹرل پرووِنسیز ۱۸۶۷ء صفحہ

[4] سینٹرل پرووِنسیز ڈسٹرکٹ گزیٹئر، ساگر ڈسٹرکٹ صفحہ ۱۴۷۔

[5]۔ پراچین بھارت کا اتہاس تتھا سنسکرتی، از کے سی شریواستو، صفحہ ۲۷۱۔

راحت گڑھ کا پرانا نام

راحت گڑھ کے قریب ملے کتبے کے مطابق پرمار سلطنت کے زمانے میں راحت گڑھ کا نام "اپرھڈامنڈلا" Uparahadamandla اور اس کے گورنر کا نام "اکلیوندنا" Uklevandana تھا[6]۔

اپرھڈامنڈلا سے راحت گڑھ کیسے بنا اور کب بنا، اپرھڈاامنڈلا اور راحت گڑھ کے درمیانی عرصہ میں اس کا کیا نام تھا؟ اس کا کوئی یقینی علم نہیں ہے، راجہ سنگرام شاہ کے مفتوحہ باون گڑھوں میں راحت گڑھ کو بھی شمار کیا جاتا ہے؛ لیکن اس کا کوئی تحریری حوالہ دستیاب نہیں ہے، بعد کے لوگوں نے علاقائی روایتوں اور لوک گیت کی بنیاد پر شامل کیا ہے، کسی نے سنسکرت کے ایک شعر میں "رانت" سے راحت گڑھ سمجھا اور ایک انگریز نے اکبر نامہ میں آنے والے لفظِ "راٹھ" (موجودہ حمیرپور) سے راحت گڑھ جانا اور اسی طرح بابر کی تزک میں آنے والے "رنتھمبور" کو ایک انگریز مورخ نے راحت گڑھ لکھا اور کسی نے "رتن پور" کو راحت گڑھ لکھا، جب کہ مقامی لوگوں کے درمیان موجودہ آبادی والا حصہ "رتھیا کھیڑا" اور قدیم ویران حصہ "پاٹن" کے نام سے مشہور ہے؛ الغرض یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ پرماروں کے بعد راحت گڑھ کا نام کیا تھا اور راحت گڑھ کیسے پڑا؟

راحت گڑھ پر چندیل اور پرماروں کی حکومت

راحت گڑھ کی بنیاد کب رکھی گئی اور اس کا بانی کون ہے؟ اس سلسلے میں تاریخی روایات خاموش ہیں؛ البتہ عام طور پر اسے چندیل حکومت کے عہدِ اقتدار میں گیارہویں صدی عیسوی کا شہر بتایا جاتا ہے۔

راحت گڑھ کے قریب دستیاب کتبہ کے مطابق تیرھویں صدی عیسوی میں راحت گڑھ دھار کی پرمار سلطنت کے زیرِ اقتدار تھا، کیونکہ راجہ جے ورمن دوم (جے سنگھ دوم) پرمار نسل کا راجہ تھا، جو ۱۲۵۵ء سے ۱۲۷۴ء تک مالوہ کا حکمراں رہا، اس وقت مالوہ کا دارالسلطنت "دھار" ہوا کرتا تھا۔

اور پرماروں سے پہلے بندیل کھنڈ پر نویں صدی سے تیرہویں صدی تک چندیلوں کی حکومت تھی[7] اسی پسِ منظر میں کہا جاتا ہے کہ: "ممکن ہے کہ جے ورمن نے چندیلوں سے راحت گڑھ پر قبضہ حاصل کیا ہو"۔[8]

---

[6]۔ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا سنہ ۱۸۷۶ صفحہ نمبر ۳۰۔

[7]۔ پرماروں کے ابھیلیکھ جلد دوم، ہری ہر وٹھل ترویدی ۱۹۹۱۔

[8]۔ دیکھیے ہندی ویکیپیڈیا "جے جاک بھوکتی کے چندیل"۔

راحت گڑھ گونڈوانہ سامراج میں

سولہویں صدی عیسوی میں جب گونڈ نسل کے اڑتالیسویں حکمراں سنگرام شاہ نے اقتدار کی کرسی سنبھالی تو گونڈیا گڑھ سلطنت کو خوب عروج ملا، سنگرام شاہ پر فتوحات کے دروازے کھل گئے اس نے ۵۲ گڑھ فتح کئے، جن میں سے ایک راحت گڑھ بھی تھا۔[9]

راحت گڑھ مغلیہ سلطنت کے زیر اقتدار

سنگرام شاہ کے بعد اس کے بیٹے دَلپت شاہ نے گونڈوانہ سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی، لیکن کچھ سالوں بعد وہ دنیا سے چل بسا، اس کی موت کے بعد اس کی بیوی رانی دُرگاوتی نے گونڈوانہ سلطنت کا تختِ حکمرانی سنبھالا، اس کے عہد میں اکبر کے وزیر عبدالمجید آصف خان نے ۱۵۶۴ء میں گونڈوانہ کو ایک زبردست معرکہ کے بعد فتح کرلیا، اس جنگ میں رانی دُرگاوتی نے بھی جان دے دی۔[10] اس کے بعد یہ علاقہ مغلیہ سلطنت کے زیرِ حکومت آگیا ، اور آصف خاں کے بعد اکبر کی طرف سے کئی صوبے دار بنائے گئے جن میں خاص طور پر رائے سوجان سنگھ قابلِ ذکر ہے، وہ باڑی میں رہتا تھا، اس کے نظم ونسق سے خوش ہو کر اکبر نے اس کی جاگیر چُنار میں اور بھی ضلعے بڑھا دئے، وہ یہاں ۲۵ برس رہا اور اس کے بعد چُنار چلا گیا، اس کے بعد صادق خاں صوبے دار متعین کیا گیا، اس کے بعد باقی خاں اور عزیز خاں کے نام ملتے ہیں، آخر میں گونڈوانہ سامراج کے جانشین نے مغل سلطنت کے زیرِ اقتدار رہنا منظور کرلیا، اور گونڈ وزراء نے چندر شاہ کو راجہ بنادیا اور ۱۰ گڑھ دے کر اکبر سے توثیق کرالی، یہ گڑھ بھوپال کی طرف تھے جن میں راحت گڑھ بھی شامل تھا[11] الغرض رانی درگاوتی کی موت کے بعد راحت گڑھ پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔[12] قلعہ دار کے طور پر اس کا انتظام گونڈوں کے ہی پاس رہا، آگے چل کر بادشاہ شاہ جہاں نے

9۔ ہندی ویکیپیڈیا "گڑھ سامراج"۔ گڈھا کا گونڈ راجیہ از ڈاکٹر سریش مشرا صفحہ ۵۵۔

10۔ دیکھئے خلاصۃ التواریخ فارسی از سرجان رائے، صفحہ ۳۵۶ و تاریخ فرشتہ اردو جلد

11۔ بندیل کھنڈ از گورے لال تیواری باب گونڈ لوگوں کا راج صفحہ ۱۰۶۔ "اتہاسک استھانولی" صفحہ ۷۹۶۔

12۔ تفصیل کے لیے دیکھیں "اتہاسک استھانولی" صفحہ ۷۹۶۔

مہاراج شاہ گونڈ سے دھامونی، ساگر اور راحت گڑھ تین قلعے لے لئے، پھر اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے راحت گڑھ دھامونی کے صوبے دار مرزا صدر الدین کو عطا کر دیا[13]۔

راحت گڑھ ریاستِ بھوپال کی آغوش میں

اٹھارہویں صدی عیسوی میں افغانستان سے ہندوستان آئے ایک دلیر اور بہادر شخص دوست محمد خان نے وسطِ ہند میں ریاست بھوپال کی بنیاد رکھی اور آس پڑوس کے کئی علاقے اپنی ریاست میں شامل کر لئے۔ ۱۷۲۸ء میں نواب دوست محمد خان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے یار محمد خان نے زِمامِ اقتدار سنبھالی تو ریاست کے دیوان وجے رام کو اطرافِ ریاست فتح کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی، وجے رام نے اُدے پورہ، پٹھاری، سینوانس[14] اور راحت گڑھ وغیرہ متعدد علاقے فتح کر کے ریاستِ بھوپال میں شامل کیے،[15] اس طرح راحت گڑھ ۱۷۳۱ء[16] میں ریاست بھوپال میں شامل ہو گیا۔

راحت گڑھ ایک مستقل ریاست

۱۷۴۲ء میں جب نواب یار محمد خان کا انتقال ہوا تو عزیز و اقارب نے ان کے بھائی سلطان محمد خان کی نوابی کا مدعا اٹھایا جنہیں دوست محمد خان کے انتقال کے بعد نواب بنا دیا گیا تھا، لیکن جب ان کے بڑے بھائی نواب یار محمد خاں کو حیدرآباد کے نظام نے نواب بنا کر واپس بھیجا تو سلطان محمد خان معزول ہو گئے تھے، لہٰذا نواب یار محمد خان کی وفات کے بعد دوبارہ ان کی نوابی کا معاملہ اٹھایا گیا، لیکن مرحوم نواب یار محمد خان کی بیوہ "ماں جی مولا بیگم" نے اپنے سوتیلے بیٹے فیض محمد خاں کو تختِ ریاست سونپ دیا، ریاست کے تمام وفادار سپاہی اور قلعے دار، نیز شاہ عالم کی روہیلوں کی فوج جو بھوپال میں موجود تھی اس فیصلے کے حق میں فیض محمد خان کی صف میں کھڑے ہو گئے، اور بات جنگ تک پہونچ گئی، سلطان محمد خان اپنے حامیوں کے ساتھ قلعہ کے اندر ہی موجود تھے، "چین پور باڑی" کے قلعہ دار "وِلاس رائے" نے حمایت کا دَم بھرا اور مدد کا جھانسہ دے کر انھیں قلعے سے باہر نکال لیا، قلعہ سے

13۔ بندیل کھنڈ کے دُرگ از کاشی پرشاد ترپاٹھی صفحہ ۱۲۳۔
14۔ موجودہ بیگم گنج کا علاقہ۔
15۔ سراج الاقبال تاریخ ریاستِ بھوپال، قلمی نسخہ صفحہ ۴۰۔
16۔ دی گزیٹئر آف سینٹرل پروونسیز صفحہ ۴۲۴۔

باہر آنے کے بعد سلطان محمد خان اور فیض محمد خاں کی فوجوں کے درمیان عید گاہ کے میدان[17] میں فیصلہ کن جنگ لڑی گئی، سلطان محمد خان کو شکست ہوئی، وہ سرونج، کوروائی کے راستے اپنی جاگیر "جھلہ" میں آکر ٹھہرے،[18] اور راحت گڑھ کے قلع دار "ہزاری" کو اپنا ہمنوا بنا کر راحت گڑھ میں آبسے۔[19] دوسری طرف نواب فیض محمد خان کی فوج دیوان وجے رام کی قیادت میں رائسین، انبہ پانی[20] غیرت گنج کے راستے بیگم گنج تک پہونچ گئی، تب ماں جی ممولا بیگم کی مداخلت اور مصلحانِ راحت گڑھ کی کوششوں سے آپس میں صلح ہو گئی اور یہ طے پایا کہ راحت گڑھ متعلقہ علاقہ جات سمیت نسلاً بعد نسل سلطان محمد خان کے حوالے کیا جاتا ہے، اس کے بدلے سلطان محمد خان اور ان کی اولاد کو ریاستِ بھوپال کی حکمرانی پر کوئی حق نہیں رہے گا[21] اس طرح راحت گڑھ مستقل ایک الگ ریاست بن گئی جس کے نواب سلطان محمد خان اور دیوان ان کے بھائی صدر محمد خان مقرر ہوئے[22]۔

راحت گڑھ پر سندھیا کا قبضہ

آگے کے حالات جاننے سے پہلے اس وقت کی قریبی ریاستوں کے بارے میں مختصراً جاننا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس وقت علاقہ میں تین بڑی ریاستیں تھیں، ایک مرہٹہ، دوسرے سندھیا اور تیسری ریاستِ بھوپال اور چوتھی طاقت پنڈاریوں کی تھی، یہ کسی بھی ریاست کے تحت نہیں آتے تھے؛ بلکہ جو بھی ان کی حفاظت کی ذمہ داری اور ان کے ہاتھ لگنے والے مال سے چھیڑ خانی نہ کرنے کا وعدہ کرتا، یہ اسی ریاست کے حلیف بن جاتے اور اس کی مقابل ریاست میں خوب لوٹ مار کیا کرتے تھے، ان دنوں ریاستِ بھوپال پر مرہٹے اور سندھیا دونوں پنجے گاڑے ہوئے تھے۔

اسی دوران ۱۷۹۶ء میں نواب حیات محمد خان نے سلطان محمد خاں کے پوتے اور راحت گڑھ کے نواب مرید محمد خان کو بھوپال بلایا، مرید محمد خان نے ریاست کی سرپرست "عصمت بیگم" سمیت سب کو راضی کر لیا، یہاں تک کہ نواب حیات محمد خان اپنے بیٹے غوث محمد خان کے مقابلے میں مرید محمد خاں کو ترجیح دینے لگے اور

---

[17]۔ اب اس جگہ سندھی کالونی واقع ہے۔

[18]۔ راحت گڑھ تحصیل میں ۱۰ کلو میٹر کے فاصلے پر کھرئی، راحت گڑھ کے درمیان ایک گاؤں ہے۔

[19]۔ تاج الاقبال تاریخ ریاست بھوپال، دفتر اول صفحہ ۱۰، ۱۱۔

[20]۔ موجودہ نام گڈھی ضلع رائسین۔

[21]- تاج الاقبال تاریخ ریاست بھوپال، دفتر اول صفحہ ۱۱، ۱۰۔ تاریخ وسط ہند از جان میلکم جلد ا صفحہ ۲۷۹، سراج الاقبال تاریخ بھوپال۔

[22]- امہ الانساب صفحہ ۲۵۵۔

نوبت یہاں تک پہونچی کہ نواب حیات محمد خان نے مرید محمد خاں کو ریاستِ بھوپال کا نائب اور دیوان نامزد کر دیا، شروع میں اس نے سب کے ساتھ اچھا معاملہ کیا، لیکن پھر اپنے ساتھیوں کے ذریعے "عصمت بیگم" صاحبہ اور ان کے محافظوں کو قتل کروادیا اور قلعے کے سارے مال پر قبضہ کرکے راحت گڑھ روانہ کر دیا، اور جب حقیقت آشکارہ ہوئی تو اس کے خلاف فوج کشی کی گئی، اس نے اپنی حمایت میں سرونج میں مہادوجی سندھیا کے گورنر بالاراؤ سے مدد طلب کی اور اپنی جاگیر سندھیا کے پاس ریاستِ بھوپال کے خلاف مدد کرنے کے بدلے بطورِ ضمانت رکھ دی،[23] سندھیا نے وعدہ پورا نہ کرنے کے الزام میں مرید محمد خاں کو سرونج میں نظر بند کر دیا، یہاں تک کہ ۱۷۹۷ء میں مرید محمد خان کی موت ہو گئی، مرید محمد خان کی موت کے بعد سنہ ۱۸۰۷ء میں دولت راؤ سندھیا ایک فوج لے کر آیا اور راحت گڑھ کا محاصرہ کرلیا، ۷/ مہینے تک قلعے کا محاصرہ کئے رہا پھر حیدر محمد خان نے یہ پیشکش کی کہ اگر آس پاس کی زمینیں انھیں دے دی جائیں تو وہ قلعہ اس کے حوالے کر دیں گے، سندھیا نے اس کو قبول کرلیا[24] اور ۱۶/ نومبر ۱۸۰۷ء میں دولت راؤ سندھیا نے راحت گڑھ پر قبضہ کر لیا[25]۔

اس طرح ۶۵/ سال تک راحت گڑھ سلطان محمد خان کے خاندان کے ہاتھ میں رہنے کے بعد سندھیا کے قبضہ میں چلا گیا اور حیدر محمد خان اور ان کا گھرانہ اپنے دوسرے قلعے پٹھاری منتقل ہو گیا، اور آج بھی یہ قلعہ ان کے پاس موجود ہے۔

راحت گڑھ انگریز کے پنجے میں

راحت گڑھ پر سندھیا حکومت کا قبضہ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہا ۱۸۲۰ء سے ۱۸۲۵ء کے دوران راحت گڑھ، گڑھا کوٹھا، دیوری گور جھامر اور نہار مئو گورنمنٹ برطانیہ نے سندھیا سے فوج کے مینیجمنٹ کے واسطے لے لئے[26]، اس طرح جزوی طور پر راحت گڑھ پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔[27] پھر ۱۸۲۱ء میں مستقل طور پر راحت گڑھ گورنمنٹ برطانیہ کے قبضے میں آگیا، جان میلکم لکھتا ہے: "راتھ گڑھ ساگر سے ۲۲ میل مغرب میں

---

[23] یہ ایک انتہائی تکلیف دہ واقعہ ہے، بھوپال کی تاریخ کی کسی بھی کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

[24]۔ دی گزیٹئر آف سینٹرل پروونسیز صفحہ ۴۲۴۔

[25]۔ حیاتِ سکندری، جلد اول صفحہ ۶۳، تذکرہ باقی صفحہ نمبر ۱۴، تاریخ وسط ہند جلد اول صفحہ ۳۰۱

[26] سینٹرل پروونسیس ڈسٹرکٹ گزیٹئر، ساگر ڈسٹرکٹ ص ۲۳۔

[27]۔ تذکرہ باقی صفحہ ۱۳۔

صوبہ مالوہ میں ایک قصبہ ہے، عرض البلد ۲۳۔۷۳ شمال، طول البلد ۳۳۔۸۷ مشرق، یہ ایک پرگنے کا صدر مقام ہے، جس کا تعلق ۱۸۲۰ء میں سندھیا سے تھا، اور اسے دس ہزار کی آمدنی ہوئی تھی[28]۔"

راحت گڑھ نواب فاضل محمد خاں کے زیرِ انتظام

۱۸۵۷ء میں جب پورے ہندوستان میں انگریز کے خلاف آزادی کی تحریک چلی تب اس وقت گڑھی انبہ پانی کے نواب فاضل محمد خاں نے وسطِ ہند خصوصاً ریاستِ بھوپال میں اس تحریک کی قیادت کے فرائض انجام دئے ،ان کی تحریک پر بہت سے راجا، نواب اور سپاہی انگریز کے خلاف محاذ آرا ہو گئے، ان کے بھائی عادل محمد خاں قرب و جوار کے علاقوں کو اپنے زیرِ انتظام لانے کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ غیرت گنج، بیگم گنج، پٹھاری اور راحت گڑھ وغیرہ انھوں نے فتح کرکے ان میں اپنے تھانے اور تحصیلیں قائم کیں، نیز عادل محمد خان نے راحت گڑھ میں ٹھہر کر اس کا انتظام درست کیا، قلعہ کی چہار دیواری کی مرمت کرائی اور مشرقی جانب خندق تیار کرائی اور قلعہ میں رسد جمع کیا اور دیگر اصلاحات کیں[29]۔

اس طرح راحت گڑھ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں گڑھی انبہ پانی کے جاگیر دار فاضل محمد خاں اور عادل محمد خاں کے زیرِ انتظام آگیا، لیکن ایک خوں ریز جنگِ عظیم (جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے) کے بعد ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو دوبارہ انگریز اس پر قابض ہو گئے[30]۔

راحت گڑھ میں پنڈاریوں کی لوٹ مار

۱۷۹۹ء میں جس وقت پنڈاری سندھیا کے حلیف تھے، پنڈاریوں نے ساگر پہ حملہ کر دیا اور کئی دن تک ساگر میں تباہی مچائی، خوب لوٹ مار کی، ساگر اس وقت مرہٹہ حکومت کے زیرِ اقتدار تھا، مرہٹوں کی فوج جب ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ساگر کی طرف آئی تو وہ بھاگ کر راحت گڑھ پہنچ گئے، راحت گڑھ کے نواب نے پنڈاریوں کے سردار امیر خان کو پانچ ہزار روپے بطور ہدیہ عطا کیے، اس کے ساتھ ہی امیر خان نے ساہوکار موہن لعل کو اس

---

[28]۔ تاریخِ وسطِ ہند از جان میلکم جلد ۲ صفحہ ۵۱۰۔

[29]۔ سپاہی بہادر صفحہ ۷۷۔۷۹۔

[30]۔ سپاہی بہادر صفحہ ۱۱۴۔

کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا، نواب نے موہن لال کو بلا کر اسے سونپ دیا، موہن لال اور امیر خان کے درمیان پانچ ہزار روپے طے ہو گئے، ایک دوسرے پنڈاری خیالی رام کو موہن لال سے پانچ ہزار روپے وصول کرنے کی ذمہ داری دے دی، موہن لال اسے دھوکہ دے کر بھاگ گیا جس کے سبب خیالی رام کو غصہ آگیا اور اس نے موہن لال کی دکان کا صفایا کر دیا جس میں اسے چالیس ہزار روپے ہاتھ آئے۔[31]۔اس واقعہ کو جان میلکم کی کتاب میمویر آف سینٹرل انڈیا میں تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

[31]۔ تاریخِ وسطِ ہند از جان میلکم جلد اول صفحہ
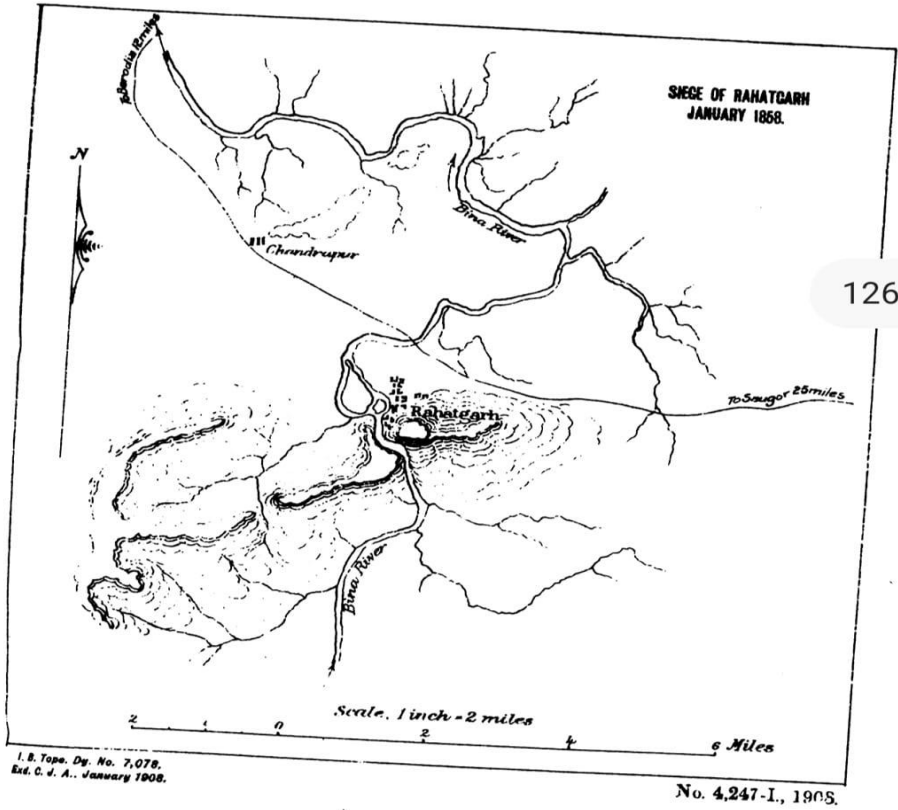
دوسرا باب

سنہ ۵۸/۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

مغلیہ سلطنت کے عظیم الشان حکمراں اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد اس سلطنت کا زوال بھی شروع ہو گیا تھا، یہاں تک کہ ۱۷۹۹ء میں سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد ہندوستان مکمل طور پر انگریز کے پنجۂ استبداد میں آگیا، جہاں کہیں علاقائی ریاستیں تھیں وہ انگریز کی باج گزار تھیں، انھیں اپنا فرماں روا؛ بلکہ عورت نواب کو اپنا شوہر اور بے اولاد حاکم کو لے پالک بھی انگریز کی اجازت کے بغیر منتخب کرنے کا حق نہیں تھا، جب حکمرانوں کا یہ حال تھا تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام کا کیا حال ہوگا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جسے انگریزی مؤرخین فوجی بغاوت یا غدر کا نام دیتے ہیں، دراصل غیور فرزندان وطن کی دلیرانہ جنگِ آزادی تھی اور دین و مذہب کے متوالوں کا سر فروشانہ جہاد تھا۔

تحریک آزادی کے اسباب و عوامل

تحریک آزادی کے اسباب و عوامل کی یوں تو ایک طویل فہرست ہے، جنھیں ذکر کرنے کے لیے ضخیم کتاب درکار ہے، اور اس پر کتابیں بھی موجود ہیں؛ ان میں سے چند بنیادی اسباب کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ **دین ومذہب پر حملہ:**۔ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد لوگوں کا ایمان محفوظ نہیں رہا تھا، لوگوں کے ایمان کو متزلزل اور ختم کرکے انھیں عیسائی بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی، تحریک آزادی کے اسباب میں یہ بنیادی سبب تھا، چنانچہ سر سید احمد خان نے بھی اپنی کتاب "اسبابِ بغاوتِ ہند کے صفحہ نمبر ۱۶/ میں اسے سب سے بڑے سبب کے طور پر ذکر کیا ہے، اس کو ملخصاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے: "لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزی گورنمنٹ سبھی ہندوستانیوں کو عیسائی مذہب پر لانا چاہتی ہے، جس کے لیے وہ وقتاً فوقتاً ایسے احکامات جاری کرتی رہتی ہے، جن کا اثر رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوگا، اور اس کے لیے وہ ایسی سازشیں اختیار کرتی ہے کہ لوگ خود بخود اپنا مذہب ترک کرکے عیسائیت کو اپنا لیں گے، مثلاً:

(الف) عربی، اردو اور سنسکرت میں موجود علوم وفنون کو ناپید کیا جا رہا ہے، جس سے لوگ اپنی تہذیب اور مذہب سے ناواقف ہو جائیں گے۔

(ب) تجارت، زراعت اور صنعت کو ختم کرکے لوگوں کو مفلس و مجبور کیا جارہا ہے، جس سے لوگوں کو نوکریوں اور مال کا لالچ دے کر بے دین کر دیا جائے گا، اور جس طرح ۱۸۳۷ء کے قحط میں زندہ بچ گئے یتیم بچوں کو عیسائی بنالیا گیا، اسی طرح باقی لوگوں کو بھی عیسائی بنالیا جائے گا۔

(ج) حکومت کے افسر اور حکام اپنے ماتحت لوگوں کو اپنے بنگلے پر پادریوں کی تقریریں سننے کے لیے مجبور کرتے تھے۔

(د) پادری لوگ حکومت کی پشت پناہی میں میلوں، میدانوں اور عام مجمعوں میں جا کر نہ صرف یہ کہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے؛ بلکہ دوسرے مذاہب اور ان کی مقدس ہستیوں کو بھی برا کہتے اور ان کی بے عزتی کیا کرتے تھے۔

(ہ) مشنری اسکول قائم کرکے عیسائیت کی تعلیمات کو فروغ دیا گیا، ہر اسکول میں بائبل کو لازمی قرار دیا گیا۔

(و) دیہاتوں میں عیسائی مکاتب قائم کیے گئے۔

الغرض ہر اعتبار سے لوگوں کو ان کے دین سے ہٹا کر عیسائی مذہب اختیار کرنے پر آمادہ کیا جاتا تھا۔

۲۔ تجارت کی بربادی:- ہندوستان مغلیہ دورِ سلطنت میں اپنی زراعت، صنعت اور تجارت کی بنیاد پر سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا، انگریز نے اس سونے کی چڑیا کو نہ یہ کہ بے جان کیا؛ بلکہ اس کی ہڈیاں اور گوشت بھی نوچ لیا، تجارت کو بالکل برباد کر دیا؛ چنانچہ فرانسیسی اور دیگر یوروپین تاجروں کو بے دخل کر دیا، اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ: "فیصلہ کیا گیا ہے کہ انگریز تاجروں کی ایک سوسائٹی کو تمام تر حقوق نمک، چھالیا اور تمباکو کی تجارت کے دے دئے جائیں، اور کوئی دوسرا شخص جو آنریبل کمپنی کے تابع ہو (یعنی رعایا) مجاز نہیں کہ اس تجارت میں حصہ لے سکے"۔

عام لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اناج وغیرہ اسی قیمت پر فروخت کریں، جس پر ان کے انگریز حکمراں ان کو مجبور کریں، اگر وہ اس کے خلاف کرتے تو کوڑوں کی سزا، قید، جرمانے اور دیگر مظالم سہنے پڑتے تھے۔

۳۔ زراعت اور کاشتکاری کو برباد کر دیا گیا:- شاہی زمانہ میں سالانہ پیداوار کا ایک متعینہ حصہ بطور لگان حکومت کو ادا کیا جاتا تھا، زمین پر کسانوں اور کاشتکاروں کا ہی حق تھا مگر کمپنی کے عہد میں زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دیا گیا اور سالانہ لگان پیداوار کے بجائے زمین کے رقبے کے اعتبار سے ٹیکس کی صورت میں لگایا گیا، جس میں فصل کی بہتری اور خرابی کا کوئی لحاظ نہ کیا جاتا، اس براہِ راست ٹیکس نے کسانوں اور دیہاتوں کی مالی حالت تباہ کرکے رکھ دی۔

۴۔ **صنعت اور کاریگری کو برباد کر دیا گیا:۔** صنعت کاروں کو انگریزی کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور کیا گیا، ان کا مال ضبط کر لیا گیا، انھیں طرح طرح کی سزائیں دی گئیں، صنعتی تباہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاکھوں کاریگر اور دست کار دانے دانے کو محتاج ہو گئے اور حال یہ ہو گیا کہ کوئی سوئی بنانے والے اور ماچس بنانے والے کو تک نہ پوچھتا تھا۔

۵۔ **ہندوستانیوں کی جان اور عزت** کی انگریز کی نگاہ میں کوئی قیمت نہ تھی، اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں، ان میں سے ایک مثال یہ بھی ہے: اودھ کے بے یمان نواب نے جب چالیس لاکھ روپے کا لالچ دے کر روہیلوں پر حملہ کرنے کی بات کہی تو انگریز نے بے قصور وہیلوں پر ہولناک مظالم ڈھائے، پانچ لاکھ لوگوں کو بے گھر کر دیا، ان کے گھر جلا دئے، بچے ذبح کر دئے گئے، عورتوں کو بے عزت کیا گیا۔

یہ چند باتیں ہیں ان اسباب میں سے جن کی وجہ سے ہندوستانی باشندے انگریزوں سے نفرت کرتے تھے، اور کسی بھی قیمت پر انگریزی حکومت کو ملک سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے تیار تھے بس ایک چنگاری کی ضرورت تھی، بالآخر وہ چنگاری ۱۸۵۷ء میں ہاتھ آ ہی گئی اور شاہ عبد العزیز دہلویؒ کی شروع کردہ تحریک عوام پر اثر انداز ہوئی جس کے نتیجہ میں علماء و عوام سے لے کر حکمران و عام سپاہی تک ملک و مذہب کی حفاظت کے لیے حرکت میں آ گیا اور اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار ہو گیا[32]۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ابتدا

یوں تو ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد سے ہی انگریز کے خلاف ملک میں کہیں نہ کہیں مجاہدین تحریک آزادی چلاتے رہتے تھے، اسی طرح ۱۸۴۰ سے لے کر ۱۸۵۶ء تک کئی بار فوج میں بے چینی کے اثرات بھی پیدا ہوئے لیکن جنوری ۱۸۵۷ء میں کارتوس میں گائے اور خنزیر کی چربی ملی ہونے کی خبر ملنے کے بعد سپاہیوں میں بے چینی اور بڑھ گئی، متعدد چھاؤنیوں کے ہندوستانی سپاہیوں نے کارتوس منھ سے توڑنے سے منع کر دیا، ہندوؤں نے اس لیے کہ اس میں گائے کی چربی ملی ہوئی تھی اور مسلمان سپاہیوں نے اس لیے کہ اس میں خنزیر کی چربی ملی ہوئی تھی، بالآخر آخری مغل فرماں روا بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں خفیہ مشوروں کے بعد متفقہ طور پر

---

[32]۔ اس مضمون میں جناب خورشید مصطفےٰ رضوی کی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ اور سر سید احمد خان کی اسباب بغاوت سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کا دن بغاوت کے لیے طے کیا گیا، لیکن قبل از وقت میرٹھ میں ہنگامہ ہو گیا اور اس طرح جو بیک وقت پورے ہندوستان میں انگریز پر حملہ کرنے کی اسکیم تھی وہ ناکام ہو گئی[33] اور الگ الگ تاریخوں میں الگ الگ مقامات پر بغاوت ہوئی، اور متعدد لوگوں نے اپنے اپنے علاقے میں قیادت کے فرائض انجام دئے۔

وسطِ ہند میں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء پر ایک طائرانہ نظر

وسطِ ہند میں اس تحریک کی قیادت بہادر شاہ کے پوتے شہزادہ فیروز شاہ، گڑھی کے جاگیر دار فاضل محمد خان اور ان کے بھائی عادل محمد خان، اندور کے وارث محمد خان، بیرسیہ کے جاگیر دار شجاعت خاں، شاہ گڑھ کے راجا بخت بلی سنگھ، بان پور کے راجا مردن سنگھ ٹھاکر، راگھو گڑھ کے راجہ دولت سنگھ، ساگر سے رسالدار رمضان شیخ وغیرہ کر رہے تھے، یہ لوگ وسطِ ہند میں بنیادی قائدین کی حیثیت رکھتے تھے، اور اس تحریک کو زندہ رکھنے اور افراد فراہم کرنے کا کام علماءِ کرام اپنی تقریروں میں جہاد کی فضیلتیں بیان فرما کر کر رہے تھے۔

اندور میں وارث محمد خان[34]، سعادت خاں اور مولوی عبد الصمد فوجیوں کو انگریز کے خلاف تیار کر رہے تھے، اور مجاہدینِ آزادی کی قیادت کر رہے تھے، ۴/ جون کو نیمچ کی فوج، ۸/ جون کو نصیر آباد کی فوج اور ۱۴/ جون کو گوالیار کی فوج نے بغاوت کر دی، اسی طرح مہو[35] میں تعینات فوج نے مراد علی کی قیادت میں انگریز سے بغاوت کر دی، اور دھار کے فوجیوں نے انگریزی چوکیوں میں آگ لگا دی، اور ۳۱/ اگست ۱۸۵۷ء کو دھار کے قلعہ پر مجاہدینِ آزادی کا قبضہ ہو گیا، امجھیرا اور جھابوا کے راجاؤں کی فوج میں زیادہ تر عرب تھے وہ مجاہدینِ آزادی کے

---

[33]۔ اس تحریک کی ایک علامت پر اسرار روٹیاں تھیں، یہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں منتقل کی جاتی تھیں، جس گاؤں سے آگے منتقل ہو جاتیں وہ گاؤں متفق سمجھا جاتا تھا۔

[34]۔ یہ نواب فاضل محمد خان کے نواسے اور ریاست بھوپال کے شاہی خاندان سے جمال محمد خان کے بیٹے تھے، ان کے اور اس وقت جو پال کی فرماں روا سکندر بیگم کے درمیان ریاست بھوپال کی حکمرانی کے استحقاق کے سلسلے میں جھگڑا تھا، جس کی وجہ سے انھیں ریاست سے باہر کر دیا گیا تھا، اندور سے یہ راجگڈھ، بیاورہ، گوالیار، مرینا اور دھول پور پر حملہ کرتے ہوئے نومبر ۱۸۵۷ء میں اپنی فوج کے ساتھ دہلی پہونچ کر بہادر شاہ ظفر کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ سپاہی بہادر، صفحہ ۸۷۔

[35]۔ مہو ضلع اندور، فی الوقت اس جگہ ہندوستانی فوج کی بڑی چھاؤنی ہے۔

ساتھ شامل ہوگئے[36]، وارث محمد خان نے یکم جولائی ۱۸۵۷ء کو اندور ریزیڈینسی پر حملہ کرکے ۵۰/انگریزوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا[37]۔

اسی دوران بہادر شاہ ظفر کے پوتے شہزادہ فیروز شاہ مئی ۱۸۵۷ء میں حج سے بمبئی واپس ہوئے، جب شمالی ہندوستان میں انگریز کے خلاف تحریکِ آزادی کی خبریں سنیں تو انھوں نے مندسور کو اپنا مرکز بنایا، اور یہاں انھوں نے دو مہموں کو انجام دیا، ایک یہ کہ وسطِ ہند اور راجپوتانہ میں انگریزی طاقت کو کمزور کیا جائے، دوسری یہ کہ یہاں سے انگریزوں کے خلاف فوج تیار کرکے دہلی کی طرف پیش قدمی کی جائے، چنانچہ وہ جولائی ۱۸۵۷ء سے نومبر ۱۸۵۷ء تک مالوہ اور اس کے آس پاس سرگرم عمل رہے[38]۔

جولائی میں انھوں نے مندسور کو فتح کیا اور مہد پور کے اجارہ دار مرزا جی کو اپنا وزیر مقرر کیا، کئی راج گھرانے شہزادے کے خطوط ملنے کے بعد شہزادے کے ساتھ ہوگئے، عام لوگوں کے ساتھ ساتھ انگریز کی حلیف ریاستوں جیسے سندھیا وغیرہ کے افغانی اور دوسرے فوجی شہزادے کی فوج میں آگئے، ایک برطانوی اندازے کے مطابق شہزادے کی پہلی جنگ میں دس ہزار لوگ شریک تھے، ۵۰۰/ میواتی، ۵۰۰/افغانی، بھیم نائک کے ساتھ ۲۰۰/ بھیل، ۴۰۰/مکرانی، ۳۰۰۰/ مختلف طبقات کے لوگ اور ۱۰۰۰/گھوڑ سوار، شہزادے کی فوج میں ہر مذہب اور ہر طبقے کے لوگ شامل تھے، اور پھر ستمبر ۱۸۵۷ء میں شہزادے کے ساتھ اٹھارہ ہزار افراد تھے[39]۔

ساگر ضلع میں تحریکِ آزادی

ہندوستان کے دیگر شہروں اور گاؤں کی طرح ساگر ضلع میں بھی جنوری ۱۸۵۷ء کے اوائل میں پراسرار طریقے سے چھوٹی چپاتیاں گاؤں گاؤں بھیجی گئیں، نیز اپریل میں بنگال رجمنٹوں کی طرف سے پرجوش خطوط ساگر رجمنٹ کے پاس پہونچے، جن میں کہا گیا تھا کہ نئے چکنائی والے کارتوس ان کے مذہب کو ٹھیس پہونچانے کے لیے بنائے گئے ہیں، مئی کے شروع میں یہ باتیں گردش کررہی تھیں کہ گھی، آٹا، اور شکر میں گورنمنٹ کے حکم

---

[36]۔ ۱۸۵۷ء کے راہنما، صفحہ ۳۶/۳۷۔

[37]۔ سپاہی بہادر، صفحہ ۸۷۔

[38]۔ ۱۸۵۷ء کے راہنما صفحہ ۳۶۔

[39]۔ ۱۸۵۷ء کے راہنما، صفحہ ۳۶۔

سے خنزیر اور گائے کے خون وہڈیوں کی ملاوٹ کی گئی ہے[40]۔ ۱۷/ مئی کو ساگر میں میرٹھ اور دہلی کے ہنگامہ کی خبر پہونچی لیکن اس کا کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا، جون ۱۸۵۷ء میں بان پور کے راجہ مردن سنگھ نے للت پور اسٹیشن کا احاطہ کر لیا، اور اسی دوران شاہ گڑھ کے راجا بخت بلی نے کثرت سے فوجیوں کی بھرتی شروع کر دی[41]

انگریزی فوج یا انگریز کی حلیف ریاستوں سے آنے والے فوجیوں میں سے رسالدار کو ۱۰۰۰/، جمعدار کو ۵۰۰/، دفعدار کو ۲۰۰/ اور سوار کو ۱۰۰/ روپیہ تنخواہ دینے اور اپنے ساتھ اسلحہ لانے والے کے لیے انعام کا اعلان کرادیا[42]۔

۲۳/ جون کو میجر گاؤسن کی قیادت میں ساگر سے للت پور کی طرف امدادی فوج روانہ کی گئی، ۱۴/ ہندوستانی سپاہیوں نے اس میں رخنہ اندازی کی کوشش کی، انھیں گرفتار کرکے ہوشنگ آباد جیل بھیج دیا گیا، پھر باغیوں نے قلعہ " بالا پیٹ" پر قبضہ کر لیا، میجر گاؤسن نے مزید فوجی دستوں کی مدد سے اس پر حملہ کر دیا اور ۶۰۰/ مجاہدینِ آزادی کو قید کر لیا، بندیلا ٹھاکروں کی طرف سے میجر کے باقی ہندوستانی فوجیوں کو حمایتی خطوط موصول ہوئے تو انھوں نے ۲۵/ جون کو میجر گاؤسن سے بغاوت کر دی اور دھمکی دے کر بالا پیٹ میں قید ۶۰۰/ مجاہدینِ آزادی کو رہا کرالیا، پھر باغی فوجی بان پور کے راجا مردن سنگھ کے پاس چلے گئے، جس نے انھیں ۱۲/ روپیہ ماہانہ دینے کا وعدہ کیا تھا، اور جب مردن سنگھ نے للت پور میں قید انگریزوں کو رہا کرکے ساگر کی طرف روانہ کیا تو شاہ گڑھ کے راجا بخت بلی نے انھیں راستہ میں گرفتا کر لیا اور تین مہینے تک قید میں رکھنے کے بعد رہا کیا[43]۔

ساگر شہر میں بغاوت متوقع تو تھی لیکن اب تک اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر انگریزی کمانڈر نے اپنے فوجی، ہتھیار اور خزانہ وغیرہ ساگر کے پرانے قلعے میں لاکر محفوظ کر لئے۔

جون کا مہینہ ختم ہوتے ہی یکم جولائی سے ساگر کے اندر بھی فوجیوں میں انگریز کے خلاف بغاوت پھیل گئی، ساگر فوج کے سینئر صوبے دار شیخ رمضان کی قیادت میں تیسری گھوڑ سوار فوج، ۴۲/ ویں پیدل فوج مکمل اور

---

[40]۔ یہی بات بھوپال میں بھی مشہور ہوئی تھی تب فوج کے مطالبے پر نواب سکندر بیگم نے ان چیزوں کی جانچ کرائی تھی "حیات سکندری" کے مطابق اس میں کوئی ملاوٹ نہیں پائی گئی تھی۔ جبکہ سپاہی بہادر میں ہے کہ یہ جانچ 4/ اگست ۱۸۵۷ء کو سیہور کے رام لیلا میدان میں ہوئی اور شکر میں ملاوٹ پائی گئی، سپاہی بہادر صفحہ ۵۴۔

[41]۔ ساگر ڈسٹرکٹ گزیٹئر صفحہ ٦٧۔

[42]۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں حیات سکندری جلد اول صفحہ ۴۲۔

[43]۔ ساگر ڈسٹرکٹ گزیٹئر صفحہ ٦٧ تا ٦٩۔

۳۱ویں پیدل فوج کے کچھ سپاہی انگریز کے خلاف محاذ آرا ہو گئے، یہ لوگ مسجد میں جمع ہوئے، ڈھول کی تھاپ پر اپنے باقی ساتھیوں کو جمع کیا، نماز اور دعاء سے فراغت کے بعد تلواریں تیز کیں اور میدان میں نکل پڑے، کچھ فوجی دموہ کی طرف گئے اور شاہ گڑھ کی فوج میں شامل ہو گئے جبکہ باقی فوجیوں نے شیخ رمضان کو اپنا کمانڈر تسلیم کیا، انگریزی فوج کے خلاف متعدد جھڑپوں اور مختلف ہتھیاروں پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۸جولائی کو یہ لوگ ساگر سے نکل گئے[44]۔

جولائی کے آخر میں ساگر کے پرانے قلعے کو چھوڑ کر پورا ساگر ضلع مجاہدین آزادی کے قبضے میں آگیا تھا، راحت گڑھ کے مضبوط قلعے پر فاضل محمد خاں اور عادل محمد خاں کا قبضہ تھا، گڑھا کوٹا کا قلعہ شاہ گڑھ کی فوج کے ہاتھ میں تھا، رہلی میں بھی حملے کی تیاریاں تھیں، بنیکاپر بھی شاہ گڑھ کی فوج نے قبضہ کر لیا، کھرئی' بان پور کے راجا مردن سنگھ کے قبضہ میں تھا، الغرض پورا ضلع ساگر پرانے قلعے کو چھوڑ کر انگریز کے ہاتھ سے نکل چکا تھا[45]۔

راحت گڑھ میں ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کی قیادت گڈھی انبہ پانی کے جاگیر دار فاضل محمد خان اور عادل محمد خان کر رہے تھے، بنابریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مختصراً ان دونوں بھائیوں کے احوال ذکر کیے جائیں۔

نواب فاضل محمد خان، عادل محمد خان اور تحریک آزادی

نواب فاضل محمد خان، عادل محمد خان یہ دونوں بھائی تھے، بھوپال کے شاہی خاندان کے رشتے دار تھے، بانیٔ ریاست دوست محمد خان کی بیٹی ان کے والد کی دادی تھیں، گڑھی انبہ پانی ان کو جہیز میں دیا گیا تھا، تحریکِ آزادی میں گڑھی ان دونوں بھائیوں کا مضبوط فوجی مرکز تھا[46]۔اور یہ دونوں بھائی اپنی فوج میں مستقل اضافہ کر رہے تھے، اس علاقہ میں رونما ہونے والی تحریک آزادی میں انھیں دو بھائیوں کا کلیدی کردار رہا ہے، آس پاس کے راجا اور نوابوں سے رابطہ بنائے ہوئے تھے، اور سب کو ساتھ لے کر انگریزی راج ختم کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، اس عظیم منصوبے میں اندور کے وارث محمد خان، اٹارسی کے نواب ابو سعید خاں، آگرہ کے راجہ چھتر سال، بان پور کے راجہ مَردَن سنگھ، راکھو گڑھ کے راجہ ٹھاکر دولت سنگھ، نرسنگھ گڑھ کے راجکمار چھتر سال اور محمد گڑھ

---

[44]۔ ساگر ڈسٹرکٹ گزیٹئر صفحہ ۶۷تا۶۹۔

[45]۔ ساگر ڈسٹرکٹ گزیٹئر صفحہ ۶۹۔

[46]۔ دیکھیے حیات سکندری صفحہ ۴۸۔

کے حافظ قلی خاں شامل تھے۔ فاضل محمد خاں نے ریاست بھوپال کے کئی مقامات پر اپنے کارندے مقرر کر دئے تھے، جو خفیہ طور پر ریاست کی فوج کے سپاہیوں کو نوکری چھوڑ کر ان کی فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دیتے تھے جس زمانے میں ریاستِ بھوپال کے سپاہیوں کی ماہانہ تنخواہ تین اور چار روپے تھی اس زمانہ میں فاضل محمد خان اپنے سپاہیوں کو نو اور دس روپیہ ماہانہ تنخواہ دے رہے تھے[47]۔ سپاہیوں کے ساتھ ساتھ ہتھیار اور آلاتِ جنگ بھی جمع کرنے میں مصروف تھے، اسی کے پیشِ نظر ۲۱/اور ۲۲/جولائی کے آس پاس جمعراتی بازار کی دوکانوں سے فاضل محمد خان کے لیے بھاری مقدار میں سیسہ اور بارود خریدا گیا[48]۔

عادل محمد خاں نے علماء سے اپیل کی کہ وہ بھوپال میں انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرمادیں اور پھر انھیں کی سرگرمیوں کے نتیجے میں ۱۱/جولائی کو مسجد منکاشاہ میں جلسہ منعقد ہوا جس میں انگریز کے خلاف جہاد کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور ۱۲/جولائی کو مسجد مدارالمہام میں اس کی توثیق کی گئی[49]۔

سکندر بیگم اکثر و بیشتر فاضل محمد خاں کے خلاف انگریز کے پاس شکایتی خطوط بھیجتی رہتی تھیں، فاضل محمد خاں نے ریاست کی متعدد تحصیلوں مثلاً: غیر تگنج، بیگم گنج، سلوانی، اور دوسری ریاست پٹھاری اور راحت گڑھ پر قبضہ کر لیا تھا، ریاستِ بھوپال میں فاضل محمد خاں کی سرگرمیوں کے نتیجے میں ریاست کے اکثر سپاہی ان کے موافق ہو گئے تھے اور آگے چل کر ریاست کے فوجیوں کی بغاوت اور نئی حکومت "سپاہی بہادر" کی تشکیل انہیں کی تحریک کا نتیجہ تھی[50]۔

جمہوری حکومت سپاہی بہادر پر ایک نظر

اب تک ریاستِ بھوپال کے جو سپاہی یا کارکنان انگریز کے خلاف جاری تحریک میں شامل ہونا چاہتے تھے وہ ریاست چھوڑ کر یا تو دہلی روانہ ہو جاتے یا پھر نواب فاضل محمد خان یا کسی اور قائد کی فوج میں شامل ہو جاتے تھے، اور ان سب قائدین کا مقصد بھی یہی تھا کہ فوج جمع کرکے دہلی کی طرف کوچ کریں اور بادشاہ[51] کی طاقت

---

[47]۔ سپاہی بہادر صفحہ ۴۲۔

[48]۔ سپاہی بہادر صفحہ ۴۸۔

[49]۔ سپاہی بہادر صفحہ ۳۶۔

[50]۔ سپاہی بہادر صفحہ ۴۶۔

[51]۔ آخری مغل فرماں روا مجاہد آزادی بہادر شاہ ظفر۔

کو مضبوط کریں، لیکن فاضل محمد خان اور عادل محمد خان کی ریاست کے اندر مسلسل انقلابی سرگرمیوں، جہاد کے فتوے، کارتوس میں حرام چربی لگے ہونے کی شکایت، آٹے، گھی اور شکر میں ملاوٹ کی خبروں، تنخواہوں میں کٹوتی اور دیگر عوامل کی بنیاد پر فوج میں بغاوت پھیل گئی، اور ۶/اگست کو شکر کی جانچ کے بعد باغی فوجیوں کے سربراہ ولی شاہ نے سب کو سیہور قصبہ کے اندر ایک میدان میں جمع کرکے پر جوش تقریر کی، سب نے آخری وقت تک ولی شاہ کا ساتھ دینے کا عہد کیا، اور اسی دن ریاست اور انگریزی حکومت کے بالمقابل ایک جمہوری حکومت "سپاہی بہادر" کے نام سے قائم کرنے کا اعلان کر دیا[52]، اس حکومت کے اہم لیڈران میں ولی شاہ، مہاویر کوٹھ، عارف شاہ اور رمجو لال تھے، ہندو مسلم یکجہتی کو قائم رکھنے کے لیے اس حکومت کے دو جھنڈے بنائے گئے، ایک "نشانِ محمدی" اور دوسرا "مہاویری نشان" اور دونوں کو ملا کر نصب کیا گیا، ۸/اگست کو اس حکومت کی کونسل بنائی گئی جس کا سربراہ مہاویر کوٹھ حوالدار کو بنایا گیا، سیہور میں اس حکومت نے اپنی دو عدالتوں کے قیام کا اعلان کیا، ایک کے سربراہ ولی شاہ تھے، اور دوسری کے مہاویر کوٹھ، اس حکومت نے اپنے تھانے قائم کئے، اور حوالدار مہاویر کی سربراہی میں انگریزوں کے بنگلوں اور سرکاری عمارتوں میں توڑ پھوڑ اور آگ زنی کی، ۲۹/اگست کو خزانہ کی عمارت پر حملہ کرکے کافی رقم لوٹ لی ۱۲/ ستمبر ۱۸۵۷ء کو باغیوں نے مہاویری کونسل کے اشارے پر رچھپال سنگھ اور سیتارام کی رہنمائی میں سیہور فوج کے میگزین کی عمارت پر حملہ کیا، ولی شاہ روزانہ نئے نئے مضامین لکھ کر اپنے سپاہیوں میں تقسیم کراتے تھے، ۱۰/اکتوبر کو بھوپال کی آرمی کمیٹی کی طرف سے ولی شاہ اور عارف شاہ دونوں بھائیوں کے اسلحہ ضبطی کا حکم صادر ہوا، ۱۱/اکتوبر کو چار انقلابی رہنما وارث محمد خان، فاضل محمد خان، عادل محمد خان اور ولی شاہ کی ایک میٹنگ ریاست سے باہر ہوئی، اکتوبر کے آخر میں حوالدار مہاویر کوٹھ کی گرفتاری کا حکم جاری ہوا، وہ وہاں سے فرار ہو کر فاضل محمد خاں کے پاس گڑھی پہونچ گیا، الغرض اکتوبر-نومبر ۱۸۵۷ء میں اس باغی حکومت کا سیہور میں تقریباً خاتمہ ہو گیا تھا، ریاست کی وفادار فوج کے ذریعہ سیکڑوں فوجیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور کچھ دیگر مقامات پر چلے گئے[53]۔

52۔ حیات سکندری اول، صفحہ ۴۳۔

53۔ مکمل تفصیلات کے لیے دیکھیں "سپاہی بہادر" از اسد اللہ خان بھوپالی۔

ریاستِ بھوپال اور برطانوی حکومت کی انتقامی کارروائیاں

گڑھی انبا پانی پر فوجی کارروائی:-

ریاستِ بھوپال میں تحریکِ آزادی کو باقی رکھنے اور فوجیوں کو ریاست اور انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت پر ابھارنے اور اس تحریک کو منظّم کرنے میں سب سے اہم کردار فاضل محمد خاں اور ان کے بھائی عادل محمد خاں کا تھا، اس لیے سکندر بیگم نے سیہور کے باغی فوجیوں پر قابو پانے کے بعد انبہ پانی پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، اور سپہ سالار اعظم کے فرائض انجام دیتے ہوئے خود سکندر بیگم نے مورچے متعین کرکے فوج کی تعیناتی کا حکم دیا؛ چنانچہ سلطان محمد خاں، نجیم خاں، ننھے خاں اور غلام علی خاں کو ایک معقول جمعیت کے ساتھ غیرت گنج میں مورچہ قائم کرنے کا حکم دیا، غلام حسین خاں کو مع ۷۲/ سواروں اور ۱۳۸/ پیادوں کے سینوانس کی حفاظت کے لیے روانہ کیا، حافظ محمد حسن خاں ۷۲/ سوار اور ۱۷۰/ پیادے اور ۲ توپیں لے کر بمھوری بھیجے گئے[54]، ۷/ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو بمھوری کے پاس راج گڑھی میں نواب فاضل محمد خان کی فوج جس کی تعداد ۵۰۰ تھی اور حافظ محمد حسن خاں کے درمیان مقابلہ ہوا اور تین دن کی لڑائی کے بعد بمھوری، غیرت گنج اور سینوا س پر مکمل ریاست کی فوج کا قبضہ ہو گیا[55]، اب صرف نواب فاضل محمد خاں کے فوجی مرکز گڑھی پر قبضہ کرنا باقی تھا، تیسرے دن حافظ محمد حسن خاں نے اپنی فوج اور توپوں کے ساتھ ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جس سے گڑھی کے محاصرے کی شکل پیدا ہو گئی لیکن چونکہ گڑھی فاضل محمد خان کا فوجی مرکز تھا اس لیے تنہا حافظ محمد حسن خاں کی فوج کے دم پر اسے فتح نہیں کیا جاسکتا تھا، اس کے لیے نواب سکندر بیگم نے مذکورہ بالا فوج کے علاوہ بخشی مروت محمد خاں کی کمان میں ایک لشکر جرار اور روانہ کر دیا، جس کی تفصیل اس طرح ہے: کنٹنجنٹ سے ۸۱/ سوار اور ۲۲۷/ پیادے اور ۲/ توپیں اور ریاست کی فوج سے ۱۰۰/ سوار اور ۳۰۲/ پیادے اور ۲/ توپیں اور نواب قدسیہ بیگم کی ڈیوڑھی سے ۲۱/ سوار اور ۲۴/ پیادے[56]۔

---

[54]۔ حیات سکندری اول صفحہ ۵۸۔

[55]۔ سپاہی بہادر صفحہ ۸۷۔

[56]۔ حیات سکندری اول، صفحہ ۶۰۔

اس لشکر جرار کے گڑھی پہونچنے کے بعد ۲۱/اکتوبر سے قلعہ پر گولہ باری شروع کی گئی اور تقریباً ۲۱/ دن تک یہ لڑائی جاری رہی، بالآخر ایک رات قلعہ کے تالاب کا باندھ توڑ دیا گیا جس سے اس قدر پانی بہہ گیا کہ وہاں توپ خانہ قائم کرکے گولہ باری کی گئی، ۱۱/نومبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲۳/ربیع الاول کو قلعہ فاضل محمد خان کے غلام نے ریاست کے بخشی کے حوالہ کر دیا، نواب فاضل محمد خاں دورانِ محاصرہ راحت گڑھ چلے گئے جہاں ان کے بھائی عادل محمد خاں انتظام سنبھالے ہوئے تھے[57]۔

راحت گڑھ اور جنگ آزادی

تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران راحت گڑھ میں عادل محمد خان قلعہ بندی اور دیگر انتظامات سنبھالے ہوئے تھے، ساگر کے مجاہد فوجی بھی راحت گڑھ آ گئے تھے اور پھر گڑھی کی تباہی کے بعد فاضل محمد خان بھی راحت گڑھ میں آ کر مقیم ہو گئے، انگریزی انٹیلیجنس کی رپورٹ کے مطابق شہزادہ فیروز شاہ بھی سنہ ۱۸۵۸ء کے اوائل میں راحت گڑھ کے اندر موجود تھے[58]، اسی طرح سپاہی بہادر کے دوسرے نمبر کے لیڈر مہاویر کوٹھ اور ان کے علاوہ دیگر بڑے باغی لیڈران جیسے: کامدار خان، خیر اللہ خاں، سردار سنگھ گونڈ، کمال شاہ، محمد شاہ فقیر وغیرہ بھی راحت گڑھ میں موجود تھے[59]۔

گڑھی پر ریاست کی فوج کے قبضہ کے بعد نومبر میں انگریز کے حکم کے مطابق نواب سکندر بیگم نے اپنی فوج راحت گڑھ کے آس پاس متعین کر دی تھی[60]۔ ادھر دوسری طرف عادل محمد خاں اور فاضل محمد خاں نے راحت گڑھ میں کافی مقدار میں سامانِ رسد اور کثیر تعداد میں فوج جمع کر لی تھی، جس کا مقابلہ کرنا تنہا ریاست کی فوج کے بس میں نہ تھا[61]۔

---

[57]۔ دیکھئے حیاتِ سکندری اول صفحہ ۵۸، سپاہی بہادر صفحہ ۷۹۔

[58]- The Revolt In Central India, page 86۔

[59]۔ دیکھئے سپاہی بہادر صفحہ ۱۱۴۔

[60]۔ دیکھئے حیاتِ سکندری اول صفحہ ۶۴۔

[61]۔ دیکھئے سپاہی بہادر صفحہ ۱۰۷۔

جنرل ہیوروز کی فوج

دسمبر ۱۸۵۷ء میں انگریز نے سینٹرل انڈیا میں بغاوت کے خاتمے اور مجاہدینِ آزادی کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مہو (اندور) سے کالپی تک کے لیے جنرل ہیوروز کی کمان میں اپنی فوجیں تیار کیں، ایک فوج کی کمان اس وقت کے مشہور ظالم انگریزی کمانڈر جنرل ہیوروز کو سونپی گئی، اس کے زیرِ قیادت فوج کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

ہیوروز کا لشکر ۶/ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا جس میں صرف ۲۵۰۰/برطانوی فوجی تھے باقی انڈین فوجی تھے جو حکومتِ برطانیہ کی ملازمت کیا کرتے تھے، تفصیل کچھ اس طرح ہے: ہیڈ کوارٹر سے ۱۴/ویں لائٹ ڈریگن[i]، پونا سے ۱۴/ویں لائٹ ڈریگن، تیسرا بمبئی گھوڑ سوار دستہ، تیسری بمبئی یوروپین فوج، ۲۴ویں بمبئی پیادہ فوج، ہارس آرٹیلری[ii]، مدراس سیپرس اینڈ مائنرس[iii]، ایک فیلڈ بیٹری[iv]، سیج ٹرین[v]، حیدرآباد کنٹنجینٹ فیلڈ فورس کی طرف سے ہر قسم کے ہتھیاروں سمیت ایک دستہ شامل تھا، اس لشکر کا بریگیڈیئر "سی اسٹیورٹ" تھا[62]۔

سیہور میں انقلابی قیدیوں کا قتل عام

جنرل ہیوروز ۸/جنوری ۱۸۵۸ء کو سیہور پہونچا[63]، ریاست کے وہ فوجی جنھوں نے ریاست اور برٹش گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی تھی اور سپاہی بہادر میں شامل ہو گئے تھے ان میں سے اکثر اس وقت سیہور کی جیل میں قید تھے، ہیوروز کے سیہور پہونچنے کے بعد بخشی مروت محمد خاں نے اسے تمام حالات سے آگاہ کیا، اس نے سیہور جیل میں قید سبھی محبینِ وطن کو موت کی سزا کا فیصلہ سنادیا، ۱۴/جنوری ۱۸۵۸ء کو تقریباً ۳۵۶ محبّینِ وطن قیدیوں کو بندوق کی گولیوں سے اڑا دیا گیا[64]۔

---

[62] -The Revolt In Central India.page,86

[63] -The Revolt In Central India, page 86۔

[64]۔ دیکھئے سپاہی بہادر صفحہ

جنرل ہیوروز راحت گڑھ کی طرف

سیہور میں اس ظالمانہ کارروائی کے بعد ۱۶/ جنوری کو ہیوروز سیہور سے روانہ ہوا، بھوپال پہونچنے پر سکندر بیگم کی طرف سے اس کا شاندار استقبال کیا گیا، ہیوروز نے دو دن بھوپال میں قیام کے بعد ۱۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو برٹش فوج اور بخشی مروت محمد خاں کی قیادت میں ریاست کی فوج کے ساتھ راحت گڑھ کی طرف پیش قدمی کی اور ۲۴/ جنوری کو گیارس پور، باگرود کے راستے راحت گڑھ پہونچ گیا[65]۔

انگریزی لشکر کا راحت گڑھ پر حملہ

۲۴/ جنوری ۱۸۵۷ء کو جنرل ہیوروز اپنے لشکر کے ساتھ ودیشہ، گیارس پور کے راستے راحت گڑھ آیا، بینا ندی پار کر کے لشکر نے کیمپ لگایا، راحت گڑھ آتے وقت ہیوروز کے لشکر کا ایک آفیسر فوج کے ایک اہم دستہ کے ساتھ راحت گڑھ سے پانچ میل پہلے راستہ بھٹک گیا، اور گھنے جنگلات میں داخل ہو گیا، آس پاس تعینات فاضل محمد خان کے سپاہیوں سے اس کی جھڑپیں بھی ہوئیں، بالآخر بینا ندی کے اوپری حصہ کی طرف سے اس نے راستہ پالیا اور قلعہ کے جنوب میں آکر ایک میدان میں پڑاؤ ڈالا، اسی طرح ۴۲/ویں بمبئ پیادہ فوج نے ایک یا دو گھر اور باغات پر قبضہ کر لیا۔

قلعہ کا معائنہ

۲۵/ جنوری ۱۸۵۸ء کو ہیوروز نے میجر بوئیلو سی آر ای کے ساتھ کیپٹن فوربیس کی قیادت والی تیسری بمبئ گھوڑ سوار فوج اور تیسری یوروپین پیادہ فوج کو ساتھ لے کر اٹھارہ میل مربع کا مکمل معائنہ کیا، تو اس نے پایا کہ پورا ملک "راحت گڑھ" پہاڑوں سے گھرا تھا، قلعہ جس پہاڑی پر واقع ہے اس کی لمبائی ڈیڑھ میل ہے، اور وہ گھنے جنگل سے گھری ہوئی ہے، مغربی سمت اوپر کو اٹھتی ہوئی ڈھلوان ہے، مشرقی جانب سے قلعہ تک پہونچا جا سکتا ہے، قلعہ کا صرف شمالی حصہ ہی رہائش کے قابل اور زیر استعمال ہے، باقی حصوں پر صرف قلعہ بندی ہے[66]۔

---

[65] ۔ دیکھئے حیاتِ سکندری، اول صفحہ ۶۴، دی ریوولٹ اِن سینٹرل انڈیا صفحہ ۸۶۔

[66] دی ریوولٹ اِن سینٹرل انڈیا صفحہ ۸۷۔

مورچہ بندی

ا۔ جنرل ہیوروز نے مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد اپنے لشکر میں سے تیسری یوروپین فوج کی دو کمپنیاں مشرقی جانب پہاڑ پر تعینات کر دیں، اور جنگل کو اس قابل بنا دیا کہ قلعہ کے اندر موجود فوجیوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھی جاسکے۔

۲۔ بھوپال فوج کے ۷۰۰/ پیادوں نے قلعے کے جنوب مغرب میں (پاٹن کی طرف) مورچہ سنبھالا، پاٹن گاؤں سے کچھ فائرنگ کے بعد اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

۳۔ توپ خانہ قلعہ کے جنوب مغرب میں پہاڑی کے اختتام پر نصب کیا گیا۔

۴۔ تیسری بمبئ گھوڑ سوار فوج کو ڈھلان کے دامن میں متعین کیا۔

۵۔ اور ہیوروز نے مندرجہ ذیل فوجوں اور ہتھیاروں کے ساتھ ڈھلان پر چڑھائی کی: تیسری یوروپین ریجمنٹ، ایک دستہ سیج ٹرین، دو ۸/ پاؤنڈر گن، (توپیں) بمبئ توپ خانے کے ۱۵/ آدمی، دو ساڑھے پانچ انچ مور ٹار، ۹۰/ مدراس سیپرز اینڈ مائنرز، دو ۶/ پاؤنڈر گن، حیدرآباد کنٹنجنٹ کا ایک دستہ، تیسری بمبئ گھوڑ سوار فوج۔

۶۔ تیسری یوروپین فوج کی ۲/ کمپنیاں آرام کرنے اور رسد رسانی کے لیے باقی رکھی گئیں۔

۷۔ بریگیڈئر اسٹیورٹ قصبے اور دائیں طرف حملہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل فوج اور اسلحہ کے ساتھ عیدگاہ پر پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا: چار ۶/ پاؤنڈر گن، بمبئ ہارس آرٹیلری، ۶/ نائن پاؤنڈر گن، بمبئ لائٹ فیلڈ بیٹری، ۵۰/ بمبئ سیپرز اینڈ مائنرز، ایک دستہ سیج ٹرین، ۲/ آٹھ انچ مور ٹار، ۱/ آٹھ انچ ہووٹزر، ۲۶/ سپاہی بمبئ آرٹیلری کے، ۲/ دستے ۱۴/ لائٹ ڈریگن کے، ۲۴ ویں بمبئ پیادہ فوج۔

راحت گڑھ میں اٹھارہ سو اٹھاون کی جنگِ عظیم

اپنی فوج کو مورچوں پر متعین کرنے کے بعد جنرل ہیوروز نے مشرقی جانب پہاڑ پر تعینات فوج کو رات کے وقت خندق پاٹنے کا حکم دے دیا، جب قلعے کی فوج نے یہ دیکھا کہ انگریزی فوج بالکل دیوار کے قریب آ گئی ہے اور خندق کو پاٹنے اور گولوں کے ذریعہ دیوار کو منہدم کرنے کی پوری تیاری کر لی گئی ہے تو ۲۵/ جنوری ۱۸۵۸ء کی رات میں مجاہدینِ آزادی نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی، تب حیدرآباد کنٹنجنٹ کے ذریعہ جوابی فائرنگ کی گئی، اور انگریزی فوج نے قلعے کی چھتوں اور کمزور مقامات پر گولے برسائے، اوپر ذکر کردہ تین طرفہ

مورچوں سے رات دن قلعہ پر گولہ باری اور آگ برسائی جاتی رہی، اور قلعہ سے بھی برابر جوابی حملہ جاری رہا، ہیوروز مجاہدین کی ہمت اور ان کے حملے سے بے چین، بار بار مورچے تبدیل کرتا تھا، ۲۷/تاریخ کو اس کی بے چینی اور بڑھ گئی جب اس کا گولہ بارود تقریباً ختم ہو گیا، بار بار بخشی مروت محمد خاں سے بھوپال سے آنے والی رسد کے بارے میں پوچھتا، آخر کار بھوپال اور کوروائی ریاستوں سے اس کے پاس سامان رسد پہونچ گیا۔

۲۸/تاریخ کو جب جنرل ہیوروز مورچہ سے کیمپ میں واپس آیا تو اسی دوران صبح صبح کھرئی قلعے سے آنے والے بان پور کے راجہ مردان سنگھ نے تقریباً ۱۵۰۰/یا ۲۰۰۰/سپاہیوں کے ساتھ بینا ندی پار کر کے انگریزوں کے کیمپ پر حملہ کر دیا، ہیوروز کیمپ میں موجود فوج کو لے کر مقابلہ کے لیے نکلا، دوسری طرف سے کیپٹن ہیرے نے راجا کی فوج کا مقابلہ کیا، سخت لڑائی کے بعد راجا بان پور اپنی فوج لے کر چندراپور کی گھاٹی کی طرف پسپا ہو گئے، اسی شام نریاؤلی کے سپاہیوں نے بھی ساگر کی طرف سے انگریزی کیمپ پر حملہ کیا لیکن وہ بھی ناکام رہے، کھرئی سے آنے والے فوجیوں نے چندراپور میں انگریز کے لئے سندھیا کی طرف سے آنے والی رسد پر حملہ کر کے اس کے انچارج کو قتل کر دیا، پھر وہ لوگ برودیا کی طرف واپس ہو گئے، جب کہ قلعہ کے اندر موجود سپاہی جانبازی کے ساتھ انگریزی فوج کا مقابلہ کرتے رہے، چونکہ مشرقی جانب کی دیوار تک ۲۵/جنوری کو ہی انگریزی فوجوں نے رسائی حاصل کر لی تھی اور اس دیوار کو منہدم کرنے کے لیے مسلسل گولہ بارود اور ڈائنامائنڈ استعمال کیا جارہا تھا، جس کے نتیجے میں جگہ جگہ دیوار میں شگاف ہو گئے تھے، جانباز سپاہی ان شگافوں کے سامنے آ کر لڑتے رہے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے انگریز کو قلعہ میں داخل ہونے سے روکے رہے، انجام کار بھوپال اور برٹش فوج کی تین طرف سے کارروائی اور مشرقی دیوار کے ایک حصے کے منہدم ہو جانے کی وجہ سے کثیر تعداد میں سپاہی شہید ہوئے اور ۲۸ جنوری ۱۸۵۸ء کو رات کے وقت اکثر سپاہی اور لیڈران ایک خطرناک راستے[vi] کے ذریعے قلعے سے نکل کر آس پاس کے جنگل میں چلے گئے۔ ۲۹/جنوری کی صبح ۴/بجے کے قریب قلعہ کے صدر دروازہ سے سپاہیوں نے اس طرف تعینات انگریزی فوج پر حملہ کیا تھا، اور جب مشرقی جانب متعین انگریزی کمانڈر کولونیل لڈل نے قلعہ کے اندر خاموشی محسوس کی تو وہ تیسرے یوروپی دستے کے ساتھ قلعے میں داخل ہو گیا، کچھ سپاہیوں کی طرف سے جو ابھی بھی قلعے میں موجود تھے فائرنگ کی گئی لیکن انھیں شہید کر دیا گیا۔

اس طرح تین دن اور چار راتوں کی مسلسل گھمسان لڑائی کے بعد ۲۹/جنوری ۱۸۵۸ کی صبح راحت گڑھ پر انگریز ملعون کا قبضہ ہو گیا، اور مجاہدینِ آزادی کا ایک اہم مرکز زوال کا شکار ہو گیا۔

فاضل محمد خان اور دیگر بڑے لیڈروں کو پھانسی

قلعے سے نکلنے کے بعد اکثر لوگ بروِ دیا، جھانسی اور دوسرے مقامات کی طرف جانے میں کامیاب ہو گئے لیکن کچھ لوگ چاروں طرف پھیلی ہوئی انگریزی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے، اور کچھ کو قید کرکے حکام کے سامنے پیش کیا گیا، جنھیں درختوں اور قلعے کے دروازے پر پھانسی دی گئی، اسداللہ خاں بھوپالی لکھتے ہیں کہ راحت گڑھ کے تقریباً ہر درخت پر کسی نہ کسی مجاہدِ آزادی کی لاش لٹکی ہوئی تھی، اس تحریک کے لیڈر نواب فاضل محمد خاں اور ان کے کئی ساتھیوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا اور پھر ۲۹ یا ۳۱/ جنوری ۱۸۵۸ء کو فاضل محمد خاں اور کامدار خاں کو قلعے کے صدر دروازے پر پھانسی دی گئی[67]، اور ان کی لاشوں کو قلعے کے اندر ایک کمرے میں ڈال دیا گیا، ۲/فروری کو جنرل ہیوروز نے راحت گڑھ سے ساگر کی طرف کوچ کیا تو راحت گڑھ سے روانہ ہوتے وقت ہیوروز نے انھیں دفن کرنے کی اجازت دی، ان دونوں کی قبریں ایک اندازے کے مطابق موتی محل اور قلعے کی مغربی دیوار کے درمیان میں موجود ہیں، جن کا نشان باقی نہیں رہا۔

۳/فروری کو سپاہی بہادر حکومت کی کونسل کے سربراہ مہاویر کوٹھ کو بھی رائسین کے سپاہیوں نے گرفتار کرکے انگریز کے سامنے پیش کر دیا اور ۱۴/فروری کو انھیں ساگر میں پھانسی دے دی گئی[68]۔

دیگر محبینِ وطن کا انجام

ان کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں سپاہیوں اور متعدد کمانڈروں کو پھانسی دے دی گئی، یا جنگل میں تعاقب کرکے شہید کر دیا گیا، ان میں سرور سنگھ گونڈ، کمال شاہ، محمد شاہ فقیر یہ لوگ نواب فاضل محمد خان کے ساتھی تھے، اور فاضل محمد خان کے سکریٹری رام کشن وغیرہ بھی شامل ہیں[69]۔

---

[67] سپاہی بہادر اور انگریزی رپورٹس دی ریوولٹ ان سینٹرل انڈیا وغیرہ میں نواب فاضل محمد خاں کی پھانسی کی تاریخ ۳۱/جنوری ہی درج ہے، جبکہ جنگِ آزادی کے شہداء کی سرکاری فہرست میں ۲۹ جنوری بتائی گئی ہے۔

[68]۔ مکمل تفصیلات سپاہی بہادر، حیاتِ سکندر یا اور بنیادی طور پر برٹش انٹیلیجنس برانچ سے طبع شدہ انگریزی کتاب وسطِ ہند میں بغاوت سے تحریر کی گئی ہیں، دن اور تاریخ اور دیگر واقعات میں آخر الذکر کتاب کو ہی بنیاد بنایا گیا ہے۔

-The Revolt In Central India from page86 to page 91

[69]۔ سپاہی بہادر ۱۱۸۔

عادل محمد خاں اور فاضل محمد خان کے بیٹے عاقل محمد خان کچھ سپاہیوں کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، اور تا نتیا ٹوپے کے ساتھ جا کر مل گئے، جب انگریز نے جھانسی کا محاصرہ کیا تو عادل محمد خان بھی تانتیا ٹوپے کے ساتھ رانی کی مدد کو پہونچے تھے، پھر ستمبر ۱۸۵۹ء تک رائسین ضلع میں ہی انگریزوں کے خلاف جنگ کرتے رہے، ستمبر میں جب ان کے ساتھیوں نے انگریز کیپٹن روم کے سامنے ہتھیار ڈال دئے تو وہ راؤ صاحب کے ساتھ شامل ہو گئے[70]۔

پانچ سو سے زائد راحت گڑھ کے جنگجو پٹھان جھانسی پہونچے اور رانی لکشمی بائی کے ساتھ انتقام کے جذبے سے جنگ میں شریک رہے۔

انگریز کے ہاتھ لگنے والا مال واسباب

عادل محمد خاں نے راحت گڑھ قلعے میں بہت زیادہ خوراک اور جنگی سامان جمع کر لیا تھا، جب وہ لوگ قلعہ چھوڑ کر فرار ہوئے تو وہ سب کا سب انگریز کے ہاتھ لگا، انگریزی رپورٹ کے مطابق نمک اور اناج کا اتنا ذخیرہ تھا جو ایک سال کے لیے کافی تھا، چند اونٹ اور کثیر تعداد میں اعلیٰ قسم کے گھوڑے تھے، ان میں سے دو گھوڑے خاص فاضل محمد خان کے تھے، جن میں سے ایک کی لگام چاندی کی تھی، توپ، ہتھیار، مقامی اور انگریزی حساب و کتاب کا ایک بڑا مجموعہ دستیاب ہوا[71]۔

"راحت گڑھ" اٹھارہ سو ستاون کے کچھ مجاہدینِ آزادی کے نام

راحت گڑھ کی جنگ میں انگریز کے خلاف ہزاروں کی تعداد میں محبینِ وطن مجاہدینِ آزادی نے حصہ لیا جس میں سے چند کے نام تاریخ کے اوراق میں درج ہیں اور اکثر وطن پر جان قربان کر کے گمنام دنیا سے چلے گئے۔ جن چند لوگوں کے نام تاریخ کے اوراق سے حاصل ہو سکے وہ اس طرح ہیں:

---

[70]۔ رائسین ضلع گزیٹئر صفحہ ۷۲۔

[71] -The Revolt in Cenral India, page 91

(۱) شہزادہ فیروز شاہ، بہادر شاہ ظفر کے رشتہ دار تھے، مرزا ناظم بخت کے لختِ جگر اور شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے[72]، مندسور سے جنگ آزادی کی تحریک شروع کی، شمالی ہند کے بیشتر مورچوں پر گوریلا جنگ کرکے انگریزوں کے چھکّے چھڑا دیے تھے، ان کی شب خون تکنیک کے سامنے انگریزی فوج لاچار اور بے بس نظر آتی تھی۔ جب انقلاب 1857ء کا آغاز ہوا تو ان کی عمر بمشکل بیس سال تھی۔

۲۴/ نومبر کو شہزادہ کی مالوہ میں انگریز کے خلاف فیصلہ کن جنگ ہوئی جس کے بعد مندسور دوبارہ انگریز کے قبضہ میں چلا گیا اور شہزادہ فیروز شاہ وہاں سے راحت گڑھ آگئے[73]، جنوری ۱۸۵۸ء میں انگریز کی فوجی کارروائی کے وقت شہزادہ فیروز شاہ بھی راحت گڑھ ہی میں موجود تھے[74]۔ سقوطِ راحت گڑھ کے بعد وہ شمالی ہند چلے گئے اور وہیں سے دوبارہ اپنی فوج کو منظّم کیا۔[75]

(۲) نواب فاضل محمد خان ولد ولی محمد خان، پیدائش ۱۸۲۳ء انباپانی گڑھی کے جاگیر دار انگریز کے سخت ترین دشمن، انگریز کے خلاف اپنی خود کی فوج تیار کی سیہور اور انباپانی میں انگریز کے خلاف جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا، گڑھی میں شکست کے بعد راحت گڑھ کو اپنا فوجی مرکز بنایا جسے اکتوبر ۱۸۵۷ء انگریزی قبضے سے آزاد کرالیا تھا، جنوری ۱۸۵۸ء میں انگریز کی انتقامی کارروائی میں چار دن کی گھمسان لڑائی کے بعد خفیہ طریقے سے نکل گئے، لیکن گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی دی گئی۔

(۳) اکبر خان، پیدائش ۱۸۲۳ء متھرا کے باشندے تھے، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں نواب فاضل محمد خان کی فوج میں تھے، راحت گڑھ میں شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۴) بدرِ علی، پیدائش ۱۸۰۸ء الہ آباد کے رہنے والے تھے، ۱۸۵۷ء انگریز کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا، راحت گڑھ میں نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل تھے، شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

---

72 ان کے رشتے کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی انھیں شاہ عالم کا پوتا لکھتا ہے تو کوئی انھیں بہادر شاہ ظفر کا پوتا، واللہ اعلم۔

73 Bengal Past and Present. Page 142

74 The Revolt in Cenral India, page 91

75 تفصیل کے لیے دیکھیں، ۱۸۵۷ کے راہ نما، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، صفحہ ۳۵/ تا ۴۵۔

(۵) وزیر علی، پیدائش ۱۸۰۸ء الہ آباد کے رہنے والے تھے، سیہور اور راحت گڑھ میں نواب فاضل محمد خان کی قیادت میں انگریز کے خلاف جنگ میں شریک رہے، اور راحت گڑھ قلعہ پر انگریز کے دوبارہ قبضہ کے بعد گرفتار ہوئے، ۲۹/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۶) وزیر بیگ، راحت گڑھ کے رہنے والے تھے بغاوت سے پہلے اسٹیٹ پولیس میں کانسٹیبل تھے، بغاوت کے زمانے میں نواب فاضل محمد خان کے ساتھ ہوگئے، اکتوبر ۱۸۵۷ء میں راحت گڑھ کو برطانوی آبادکاروں سے خالی کرانے میں حصہ لیا اور جنوری ۱۸۵۸ء کی جنگ میں قلعہ کے اندر تھے، پھر جب ۲۸/ جنوری کو مجاہدین نے قلعہ چھوڑا تو یہ بھی نکل گئے، لیکن نرسنگ پور کے راستے میں گرفتار کر لیے گئے اور انگریز نے سزائے موت دے دی۔

(۷) بزمی خان، راحت گڑھ کے باشندے تھے، اکتوبر 1857 میں راحت گڑھ سے برطانویوں کو نکالنے کے لیے عادل محمد خان کے ساتھ مل کر جنگ لڑی، پھر 1858 کی جنگ میں شکست کے بعد نرسنگ پور کے راستے میں اپنے ساتھیوں سمیت انگریزی کیپٹن سوئلے کے ہاتھوں گرفتار کیے گئے اور وطن پر اپنی جان قربان کر گئے۔

(۸) بھوانی پرساد، ساگر کے رہنے والے تھے، اسٹیٹ پولیس میں بطورِ کانسٹیبل ملازم تھے، انگریز کے خلاف بغاوت میں عادل محمد خان کی فوج میں شریک ہوئے اور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ میں راحت گڑھ قلعہ پر دوبارہ انگریز کا قبضہ ہو جانے کے بعد فرار ہو گئے، لیکن اپنے گاؤں کے قریب گرفتار ہوئے اور ۲۵/ مارچ ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی[76]۔

(۹) دیو کرن چپراسی، سیہور کے رہنے والے تھے، سیہور، گڑھی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں نواب فاضل محمد خاں کی فوج میں رہ کر انگریز کے خلاف لڑے، راحت گڑھ کی شکست کے بعد گرفتاری عمل آئی اور ۲۵/ مارچ ۱۸۵۸ کو پھانسی ہوئی۔

[76] 102 Dictionary of Martyrs: India's Freedom Struggle (1857-1947) Vol. 2, Part I(A-K)

(۱۰) گرور سنگھ، پیدائش ۱۸۳۱ء راحت گڑھ کے رہنے والے تھے، نواب فاضل محمد خاں کی فوج میں شامل ہو کر انگریز کے خلاف جنگ لڑی، شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۱۱) گلاب شاہ، پیدائش ۱۷۹۸ء بھوپال کے رہنے والے تھے، انگریز کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا اور نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو گئے، راحت گڑھ جنگ میں شریک
رہے، شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۱۲) امام علی ولد میر سلطان علی ۱۷۸۸ء کو ساگر میں پیدا ہوئے، راحت گڑھ قلعہ میں برطانوی اتھارٹی کے سیکیورٹی گارڈ کے طور پر تعینات تھے، اکتوبر 1857 میں فاضل محمد خان کے راحت گڑھ پر حملے کے وقت نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو گئے، اور 24 جنوری 1858 سے شروع ہونے والی راحت گڑھ کی جنگ میں شریک رہے، اور راحت گڑھ قلعہ پر انگریز کے دوبارہ قبضہ کے بعد گرفتار ہوئے، ۲۹/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۱۳) گلاب شاہ، بھوپال کے رہنے والے تھے، انگریز کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا اور نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو گئے، اور بھوپال ریاست میں متعدد مقامات پر انگریز کے خلاف جنگ لڑی، سیہور، انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں بھی شریک رہے،، راحت گڑھ کی شکست کے بعد گرفتاری عمل آئی اور ۲۵/ فروری ۱۸۵۸ کو پھانسی ہوئی[77]۔

(۱۴) امام بخش ولد شیخ نبی، بنگال میں پیدا ہوئے، ان کی رہائش ساگر تھی، انگریز کے خلاف ہونے والی بغاوت کے دوران نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو گئے، راحت گڑھ پر انگریز کے دوبارہ قابض ہونے کے بعد گرفتاری عمل آئی اور ۲۵/ فروری ۱۸۵۸ کو پھانسی ہوئی۔

(۱۵) جہانگیر خان ولد نامدار خان، بھوپال ریاست کے رہنے والے تھے، انگریز کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا، اور نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہوئے، سیہور، گڑھی اور راحت گڑھ میں انگریز کے خلاف جنگیں لڑیں، راحت گڑھ میں شکست کے بعد گرفتا ہوئے اور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔

[77] [Mutiny Papers, Vol. IV, NAIB; Poll Deptt,Vol. No.50 (VII) (1858), MS

(۱۶) کلاولد نتھے خاں پٹھان، پیدائش ۱۸۲۸ء محمد گڑھ کے رہنے والے تھے، اٹھارہ سو ستاون کی انگریز مخالف تحریک میں نواب فاضل محمد خان کے ساتھ رہے، راحت گڑھ کی جنگ میں حصہ لیااور گرفتاری کے بعد راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔

(۱۷) کالورام، پتھریا ضلع ساگر کے رہنے والے تھے، نواب کامدار خاں کے یہاں ملازم تھے، انگریز مخالف تحریک میں نواب کامدار خاں کے ساتھ رہے، اور نواب کامدار خاں نواب فاضل محمد خاں کے ساتھ سیہور، انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں برابر کے شریک تھے، راحت گڑھ میں شکست کے بعد ۲۹/ جنوری کوکالورام کو بھی قلعے کے دروازے پر پھانسی دی گئی۔

(۱۸) کامدار خاں ولد نامدار خاں پنڈاری، ۱۸۲۳ء کو بیر چھہ میں پیدا ہوئے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں انگریز کے خلاف بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اپنے ملازمین کے ساتھ سیہور، انباپانی گڑھی اور راحت گڑھ میں انگریزوں کے خلاف جنگیں لڑیں، راحت گڑھ پر دوبارہ انگریزی قبضے کے بعد ۲۹/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی دی گئی۔

(۱۹) خضر خان، ساگر ضلع کے رہنے والے تھے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا، اور نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہوگئے، اکتوبر ۱۸۵۷ء کو راحت گڑھ کی پہلی جنگ میں بھی شریک ہوئے اور جنوری ۱۸۵۸ء کی آخری جنگ میں بھی انگریز کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا، شکست کے بعد قلعہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے، لیکن نرسنگ پور کے راستے میں انگریزی فوج نے گرفتار کرلیا، اور موت کی سزا دے دی گئی۔

(۲۰) خواجہ بخش ولد نامدار خاں، بھوپال اسٹیٹ سے تعلق رکھتے تھے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں انگریز کے خلاف نواب فاضل محمد خان کے ساتھ سیہور، انباپانی گڑھی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں شریک رہے، جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ میں شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری کو قلعہ کے دروازے پر پھانسی ہوئی[78]۔

---

[78] *380 Dictionary of Martyrs: India's Freedom Struggle (1857-1947) Vol. 2, Part I(A-K)* [Mutiny Papers, Vol. I,NAIB; Poll Deptt, Vol. No.53 (X) (1858), MSAB]

(۲۱) کِشن رام ۱۸۰۶ء کو گڑھی انباپانی میں پیدا ہوئے، گڑھی کے جاگیر دار اور وسطِ ہند میں جنگِ آزادی کے ہیرو نواب فاضل محمد خان کے یہاں بطورِ سیکریٹری ملازم تھے، اٹھارہ سو ستاون کی تحریکِ آزادی میں شریک رہے، سیہور، انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں حصہ لیا، راحت گڑھ میں شکست کے بعد ۲۹/ جنوری کو گرفتار ہوئے اور ۳۰/ جنوری کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی، جبکہ کشن رام کے ۱۷/ دیگر ساتھی گرفتاری کے وقت مار ڈالے گئے۔

(۲۲) مخدوم بخش ۱۸۱۲ء کو اودھ (مشرقی اترپردیش) میں پیدا ہوئے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں انگریز کے خلاف جہاد کیا اور نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو گئے، سیہور ،انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں شریک رہے، جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ میں شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ایک یا ۲۵/فروری ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔

(۲۳) محمد شاہ، ۱۸۱۸ء کو پیدا ہوئے، بھوراسہ کوروائی کے رہنے والے تھے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں شریک ہوئے، نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو کر سیہور، انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں حصہ لیا، جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ میں شکست کے بعد گرفتار ہوئے ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ قلعے کے گیٹ پر پھانسی ہوئی۔

(۲۴) نامدار خان، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں انگریز کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو کر راحت گڑھ کی جنگ میں شریک ہوئے، شکست کے بعد گرفتاری عمل میں آئی اور ۲۵/فروری کو پھانسی ہوئی۔

(۲۵) نامدار خان، جبل پور کے رہنے والے تھے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا اور ساگر علاقہ میں اپنی انگریز مخالف سرگرمیاں جاری رکھیں، نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو کر اکتوبر ۱۸۵۷ء میں راحت گڑھ کی پہلی جنگ میں شریک ہوئے اور جنوری ۱۸۵۸ء راحت گڑھ کی دوسری جنگ میں بھی شریک رہے، شکست کے بعد راحت گڑھ قلعے سے دوسرے سپاہیوں کی طرح یہ بھی نکل گئے، لیکن بدقسمتی سے گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۲۶) ناصر خاں ولد ناصب خاں، محمد گڑھ کے رہنے والے تھے، نواب فاضل محمد خان کے ساتھ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا، سیہور، انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں شامل رہے، شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ قلعہ کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۲۷) پنچم ولد کُلا سنگر، گُزلی ضلع ساگر کے رہنے والے تھے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا، نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہو کر گڑھی انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں حصہ لیا، جنوری ۱۸۵۸ کی جنگ میں شکست کے بعد گرفتاری ہوئی اور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۲۸) پَرم سُکھ ولد بال کشن ۱۸۰۸ء کو راحت گڑھ میں پیدا ہوئے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں نواب فاضل محمد خان کی فوج میں شامل ہوئے، اور راحت گڑھ کی دونوں جنگوں میں شریک رہے، شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۲۹) پُہانگ شاہ، پٹھاری کے رہنے والے تھے، نواب فاضل محمد خاں کی قیادت میں اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا، اور جنوری ۱۸۵۸ء کی راحت گڑھ جنگ میں شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/ جنوری یا ۲۵/ فروری کو پھانسی ہوئی۔

(۳۰) راجہ مردن سنگھ ولد راجہ پرہلاد، ریاستِ چندیری میں بانپور کے راجہ تھے، انگریز کے خلاف سرگرم لیڈروں میں سے ایک تھے، بہت سی جگہوں پر انگریزی فوجوں کو ناکوں چنے چبوائے، نواب فاضل محمد خاں، عادل محمد خان، ولی شاہ، مہاویر کوٹھ، راجہ بخت بلی اور راجہ مردن سنگھ وغیرہ کی پوری ایک جماعت تھی جو انگریز کے خلاف آپسی مشورے سے کام کرتے تھے، جنوری ۱۸۵۸ء میں راحت گڑھ کی جنگ کے دوران راجہ مردن سنگھ ۲۸/ جنوری کو کھرئی سے اپنی فوج لے کر نواب فاضل محمد خان کی مدد کے لیے پہونچے اور اچانک انگریزی فوج کے کیمپ پر حملہ کر دیا، اور انگریزی فوج کو پیچھے ہٹ کر چندراپور کی پہاڑیوں میں الجھائے رکھا، جس کا فائدہ اٹھا کر قلعہ کے سپاہی ۲۸/ جنوری کی رات میں باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے، راجہ مردن سنگھ جولائی ۱۸۵۸ء تک انگریز کے خلاف جنگ لڑتے رہے، لیکن آخر میں ۵/ جولائی ۱۸۵۸ء میں اپنے آپ کو سرینڈر کر دیا اور ۲۲/ جولائی کو متھرا کی جیل میں انتقال کر گئے۔

(۳۱) رام کنور ولد گووند رام، فرخ آباد کے رہنے والے تھے، اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی میں ساگر علاقہ میں انگریز کے خلاف لڑے، جنوری ۱۸۵۸ء میں راحت گڑھ کی جنگ میں شریک تھے، شکست کے بعد گرفتاری ہوئی اور ۲۵/فروری ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔

(۳۲) روشن خان ولد مراد خان ۱۸۱۸ء کو بھوپال ریاست میں پیدا ہوئے، نواب فاضل محمد خان کی فوج میں بھرتی ہوئے اور انگریز کے خلاف سیہور، انباپانی اور راحت گڑھ کی جنگوں میں حصہ لیا، جنوری ۱۸۵۸ء راحت گڑھ کی جنگ میں شکست کے بعد گرفتا ہوئے اور ۲۹/جنوری کو قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی۔

(۳۳) شیخ برندا ۱۸۳۳ء میں بھیلسہ (ودیشہ) میں پیدا ہوئے، نواب فاضل محمد خان کے برادرِ نسبتی تھے، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں نواب فاضل محمد خان کے ساتھ انگریز کے خلاف لڑے اور راحت گڑھ کی جنگ میں شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۹/جنوری ۱۸۵۸ء میں راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی[79]۔

(۳۴) شیخ ناظم ولد شیخ ابراہیم، سینواس (بیگم گنج) کے رہنے والے تھے، ساگر علاقہ میں انگریز کے خلاف ہونے والی بغاوت میں حصہ لیا اور انگریزی فوج کے خلاف جنگ لڑی، راحت گڑھ کی دونوں جنگوں میں شریک ہوئے اور جنوری ۱۸۵۸ میں شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۵/فروری ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی[80]۔

(۳۵) شیخ نور خان راحت گڑھ کے رہنے والے تھے، نواب فاضل محمد خان کی قیادت میں ساگر علاقہ میں انگریزی فوج کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا، راحت گڑھ کی دونوں جنگوں میں شریک رہے، جنوری ۱۸۵۸ء کی جنگ میں شکست کے بعد راحت گڑھ قلعے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن نرسنگ پور کے راستے میں گرفتار ہوئے اور موت کی سزا دی گئی[81]۔

---

[79] [Mutiny Papers, Vol.II, NAIB; Poll Deptt, Vol. No.50 (VII) (1858), MSAB
[80] [Mutiny Records, F/ Poll, Supp. Proc. No. 1493 (1859), NAI]
[81] [Mutiny Papers, Vol. III, NAIB; Poll Deptt, Vol. No.48 (V) (1858), MSAB]

(۳۶) شِولال ولد نوبت رائے کایستھ گنج باسودہ کے رہنے والے تھے، اٹھارہ سوستاون کی جنگِ آزادی میں سلطان محمد خان کی قیادت میں انگریزی فوج کے خلاف لڑے، اکتوبر ۱۸۵۷ء کی راحت گڑھ کی آزادی کی جنگ میں بھی شریک رہے اور جنوری ۱۸۵۸ء کی جنگ بھی شریک تھے، شکست کے بعد گرفتار ہوئے اور ۲۵/فروری کو پھانسی ہوئی۔

(۳۷) واحد خان ۱۸۳۳ء میں مرزاپور (بندیلکھنڈ اب اترپردیش) میں پیدا ہوئے، اٹھارہ سوستاون کی جنگِ آزادی میں نواب فاضل محمد خان کی قیادت میں حصہ لیااور راحت گڑھ کی دونوں جنگوں میں شریک رہے، شکست کے بعد ۲۹/جنوری ۱۸۵۸ء کو راحت گڑھ قلعے کے دروازے پر پھانسی ہوئی[82]۔

(۳۸) عادل محمد خان، فاضل محمد خان کے بڑے بھائی تھے، ان کا تفصیلی ذکر اوپر آچکا ہے، تحریکِ آزادی میں اپنے بھائی کے شانہ بشانہ رہے، راحت گڑھ کی شکست کے بعد بھی انگریز کے خلاف سرگرمِ عمل رہے، ان کی گرفتاری پر انگریز نے ۲۰۰۰/روپے کاانعام بھی رکھا تھا، لیکن کوئی انھیں پانہ سکا۔

(۳۹) عاقل محمد خان، فاضل محمد خان کے بیٹے تھے، اپنے والد کے ساتھ انگریز مخالف جنگوں شریک رہے، راحت گڑھ میں شکست کے بعد اپنے تایا عادل محمد خان کے ساتھ قلعے سے نکل کر دیگر مہمات میں حصہ لیا۔

(۴۰) جہانگیر خان، ساگر کے رہنے والے تھے، 1857 میں ساگر علاقے میں انگریزی فوج کے خلاف جنگ میں شریک رہے، اور گرفتاری کے بعد پھانسی ہوئی[83]۔

یہ تو چند نام ہیں جو سرکاری ریکارڈ میں موجود ہیں، ان کے علاوہ سینکڑوں ایسی مجاہدین ہیں جو وطنِ عزیز کی آزادی پر قربان ہوگئے، راحت گڑھ کے پانچ سو پٹھان راحت گڑھ پر انگریز کا قبضہ ہونے کے بعد گل محمد خان کی سرداری میں جھانسی چلے گئے اور سبھی مہارانی لکشمی بائی کی قیادت میں لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

---

[82] [Mutiny Papers, Vol.IV, NAIB; Poll Deptt, Vol. No.52 (IX) (1858), MSAB]

[83] *319 Dictionary of Martyrs: India's Freedom Struggle (1857-1947) Vol. 2, Part I(A-K)* [Mutiny Records, Poll Deptt. Vol. III,No. 43D (1859), MSAB]

تیسراباب

راحت گڑھ کا قلعہ

راحت گڑھ کا قلعہ مدھیہ پردیش کے ان چند قلعوں میں سے ایک ہے جن کی عمارتیں کسی حدتک باقی ہیں، ورنہ تو اکثر قلعوں کا صرف نام اور کچھ دیواریں ہی باقی رہ گئی ہیں، جبکہ اس قلعے میں موتی محل، سائیں محل، رنگ محل، مسجد، غلام علی شاہؒ کی درگاہ، حاجی رتن شاہ کامزار، ڈوئیلا (پانی کاچوکور بڑا کنواں) رنگ یارانی محل، اور بادل محل خستہ اورادھوری حالت میں ہی سہی، لیکن باقی ضرور ہیں، جبکہ پھانسی محل یاجوگن برج کی صرف گول دیواریں باقی رہ گئی ہیں۔

یہ قلعہ تاریخی کتابوں کے مطابق ۶۶/ایکڑ کے رقبہ پر محیط ہے، شہر کی پشت پرایک اونچا پہاڑی سلسلہ ہے ، مغرب کی جانب پہاڑی سلسلے کے اختتام پر بینا ندی بہتی ہے، ندی سے متصل پہاڑ کی چوٹی پر یہ قلعہ تعمیر کیا گیا ہے، مغرب، شمال اور جنوبی سمت کی دیواریں پہاڑ کے بالکل کناروں پر ہیں، دیوار سے پیر پھسلا تو آدمی لڑھکتا ہوا نیچے پہونچا، جبکہ مشرقی جانب دیوار کے بعد لمبا پہاڑ سلسلہ ہے، جس کے اختتام پر بھوپال ساگر روڈ نکلا ہوا ہے۔ مشرقی دیوار دوہری بنائی گئی ہے، باہر کی طرف سے پہلے خندق ہے، پھر تقریباً ۲۰/فٹ بلند دیوار ہے، اس کے بعد بیس پچیس فٹ کاخلاء ہے پھر تقریباً پچاس فٹ اونچی دیوار ہے، جس کی چوڑائی کسی مقام پر کم اور کہیں زیادہ ہے، ایک محتاط اندازے کے مطابق ۴/سے ۱۵/فٹ تک اس دیوار کی چوڑائی ہے۔ قلعے کی دیوار میں ۲۶/برج ہیں، کچھ چوکور ہیں اور کچھ گول مینارے کے مانند۔

راحت گڑھ پر کب کس کی حکومت رہی، یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ راحت گڑھ کا قلعہ کس نے بنوایا؟ تو اس سلسلے میں تاریخ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راحت گڑھ کا موجودہ قلعہ نواب سلطان محمد خان نے بنوایا ہے، جس کی تعمیر میں پچاس سال لگے، جیسا کہ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا ۱۹۲۲-۱۹۲۱، صفحہ نمبر ۲۳۔ پر ہے کہ :

"The Fort at Rahatgarh, in the Saugor District, built by the Sultan Muhammad Khan of Bhopal in the 18th century,"

ساگر ضلع میں راحت گڑھ کا قلعہ جواٹھارھویں صدی عیسوی میں بھوپال کے سلطان محمد خان نے بنوایا تھا۔

ایک انگریزی افسر مسٹر بلاکسٹون نے ۱۹۱۳ء کی اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ " قلعہ کی زیادہ تر عمارتیں ۱۵۰/سال سے زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ "[84] البتہ قلعہ میں موجود بادل محل راج گونڈ کا بنایا ہوا ہے، وہاں پہلے بہت زیادہ محل، مندر اور ایک بڑا بازار ہوا کرتا تھا جیسا کہ بھوپال کی بیگم نواب سلطان جہاں بیگم "تذکرۂ باقی " صفحہ نمبر ۱۳ کے حاشیہ میں لکھتی ہیں :۔

> " سلطان محمد خان نے وہاں کا قلعہ بنایا تھا۔۔۔اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر میں پچاس برس صرف ہوئے تھے، بیرونی بچاؤ کا حصہ جو اس قلعے کا ہے اس میں بڑے بڑے ۲۶/ مینار ہیں اور ان میناروں کا تعلق پردہ دار دیواروں سے ہے اور ۲۶/ایکڑ میں ہے، اس جگہ ایک بڑا بازار تھا، مندر اور بہت سے محلات تھے، جن میں بادل محل نہایت بلند ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو راج گونڈ نے جو فرمارِوایانِ گڈھ منڈلا میں سے تھا بنایا تھا[85]۔ "

راحت گڑھ قلعہ میں موجود عمارتیں :

شہر کے شمال مغربی کنارے پہاڑ کے اختتام سے قلعہ میں جانے کے لئے گھماؤدار اوپر کو جاتی ہوئی سیڑھیوں کا ایک سلسلہ ہے، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پانچ بلند و بالا دروازے ہیں، البتہ پانچواں اور آخری دروازہ دیگر چار دروازوں کے بہ نسبت بہت نیچا اور تنگ ہے، اس دروازے کو پار کرتے ہی قلعہ کا کشادہ میدان سامنے ہوتا ہے۔
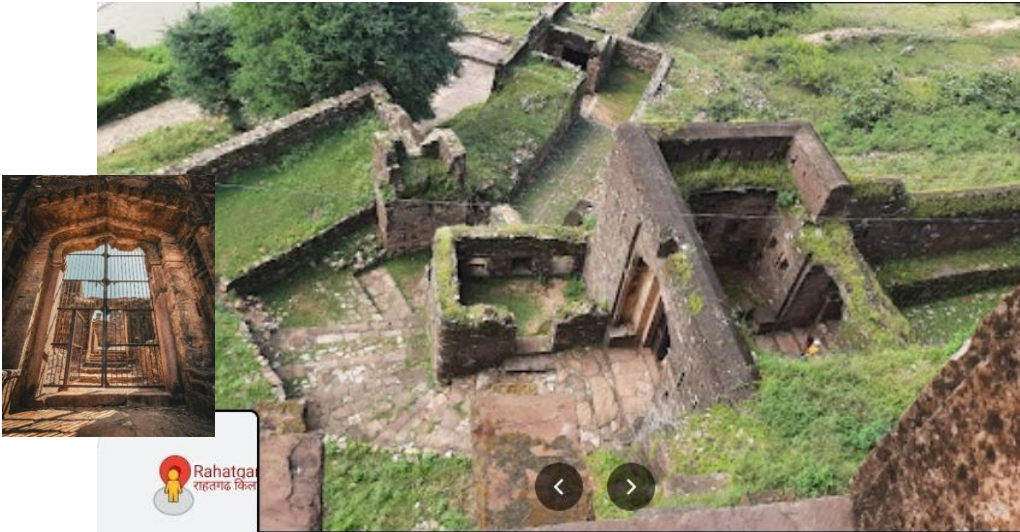
موتی محل

سیڑھیوں سے اوپر پہونچنے کے بعد دائیں طرف ایک وسیع صحن والی تین طرفہ عمارت ہے، جس کا شمالی حصہ تین منزلہ، مغرب اور جنوب کی طرف کا حصہ دو منزلہ ہے، جب کہ شمالی حصہ میں نیچے چند منزلہ تہہ خانے بھی ہیں، جس میں سے کچھ صحیح وسلامت ہیں اور کچھ خستہ حالت میں، کہا جاتا ہے کہ اس کے صحن میں بھی ایک دروازہ تھا جو ایک تہہ خانے میں پہونچتا تھا، بعد میں اسے بند کر دیا گیا، یہ منزل دیوانِ عام کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، یہ عمارت بڑے دالان، قید خانے، نواب اور بیگمات کے کمروں پر مشتمل تھا، کچھ کمروں کے نقش و نگار اور سجاوٹ آج بھی باقی ہے، عمارت کے شمالی حصہ کی دیوار پر چاروں خلفاء کے نام کندہ تھے جو اب باقی نہیں رہے۔

سائیں محل

بائیں جانب مسجد کی طرف جاتے ہوئے ایک شاندار عمارت نظر آتی ہے جس کا معتدبہ حصہ خستہ ہو چکا ہے اور موتی محل کی طرح کچھ کمروں کی چھت گر گئی ہے، یہ عمارت سائیں داتا غلام علی شاہ کی طرف منسوب کرکے سائیں محل کہلاتی ہے۔

مقبرہ غلام علی شاہ

سائیں محل کے عین سامنے غلام علی شاہ صاحب کا مقبرہ ہے، جن کے بارے میں قابلِ اعتماد تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں، ان کو سائیں داتا کہا جاتا تھا، اور ہر جمعہ اس مقبرہ پر لوگ آتے ہیں، کسی زمانے میں اس مقبرے کے پاس جمعہ کے روز کافی بھیڑ ہوا کرتی تھی اور دیگچہ وغیرہ بنا کرتا تھا، اب ایسا نہیں ہوتا ہے، البتہ کچھ لوگ ایصالِ ثواب کرنے اور کچھ منت ماننے اور خوشبو وغیرہ لگانے کے لئے اب بھی آتے ہیں۔

مسجد

سائیں محل سے کچھ آگے چل کر پانچ محرابوں والی چونے گچ سے چنائی والی پتھر کی مسجد ہے، مسجد اب تک کافی بہتر حال میں ہے، البتہ محکمہ آرکیولوجیکل کے زیرِ انتظام ہونے کی وجہ سے باقاعدہ نماز نہیں ہوتی ہے، کبھی کبھار پکنک وغیرہ کو جانے والے لوگ تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں۔

نوابی مقبرہ

مسجد کے عین سامنے مشرق کی جانب ایک پختہ مقبرہ ہے جس میں تین قبریں ہیں، کہا جاتا ہے کہ دو قبریں نواب مردوں کی ہیں اور ایک عورت کی، نام ان حضرات کے دستیاب نہیں ہوسکے۔

اس مقبرے سے متصل کچھ قبریں اور ہیں، پھر اس کے بعد قلعہ کی مشرقی دیوار تک۔ جو ۱۸۵۸ء کی جنگ میں منہدم ہوچکی تھی۔ خالی میدان ہے، کوئی عمارت نہیں ہے، البتہ اکادکا تعویذ والی اور بغیر تعویذ کی قبریں موجود ہیں، جو انتہائی خستہ حالت میں ہیں، یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کب کی ہیں، جنگِ آزادی کے وقت کی یا اس سے پہلے کی، کچھ پتہ نہیں، بس اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ قلعہ میں آبادی کے زمانے کی ہیں۔

مقبرہ حاجی رتن شاہ

مسجد کی بائیں جانب (حی علی الفلاح کی جانب) راستہ پار کرکے زمین کے ایک بڑے حصہ میں مسلمانوں کا قبرستان ہے، یہ جگہ ٹیلہ نما ہے، مسجد اور مذکورہ دیگر عمارتوں کی جگہ اس کے بالمقابل پست ہے،اس ٹیلے کے کونے پر ایک مندر نما مقبرہ ہے، جو عوام میں "ماموں بھانجے کے پاؤں" سے مشہور ہے، کیوں کہ اس مقبرے میں تعویذ کے بجائے ایک چوکور چبوترہ ہے، جس پر دو پیروں کے نشان ہیں، عوام میں تاریخ داں کی حیثیت سے مشہور ایک صاحب۔ جن کا علم صرف سماعت پر محدود ہے۔ سے معلوم کیا تو انھوں نے اسے "رتن شاہ کی سمادھی" بتایا، جبکہ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا ۱۹۰۴ء کے مطابق یہ ایک مسلمان صوفی حاجی رتن شاہ کا مزار ہے، جن سے ہندو اور مسلمان برابر عقیدت رکھتے تھے، اور یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ بعض تاریخ کی جانکاری رکھنے والے اس طرح بتاتے ہیں کہ "رتن بابا پہلے غیر مسلم تھے ان کے پیروں میں کوڑھ کی بیماری ہوئی کسی نے بتایا کہ حج کرنے چلے جاؤ، وہیں زم زم کا پانی استعمال کرنا اور اللہ سے دعا کرنا ٹھیک ہو جاؤ گے، تو رتن بابا مسلمان ہو کر حج کو چلے گئے اور وہاں سے بالکل تندرست ہو کر واپس آئے۔" اللہ حقیقت کو زیادہ جاننے والا ہے۔

عام قبرستان

مقبرہ حاجی رتن کے نیچے مسجد کی سمت دو نواب زادوں کی قبریں اور ہیں، ایک خان محمد عمر خان یا عمران خان کی اور دوسری غالباً یونس محمد خان کی ہے، یہ دونوں قبریں پختہ تعویذ والی ہیں، البتہ تعویذ نرم پتھر کے ہونے کی وجہ سے ان پر کندہ نام مٹنے کے قریب ہیں، اس وقت حالت یہ ہے کہ ایک کا نام پڑھا جا سکتا ہے اور ایک کا تقریباً مٹ چکا ہے۔

قبر کو محیط چبوترے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر والے پتھروں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے لئے لوہے کی پتیوں کا استعمال کیا گیا ہے، لیکن اب اکثر پتیاں نکل گئی ہیں یا نکال دی گئی ہیں، جس کے سبب چبوترے کے پتھر بھی گرنے لگے ہیں، خدشہ ہے کہ کہیں ایسا وقت نہ آجائے کہ ان دونوں قبروں کا نشان ہی مٹ جائے۔

حاجی رتن کے مقبرے کی ایک جانب تو یہ دو قبریں ہیں، جبکہ اس کے بالمقابل دوسری جانب بڑی تعداد میں قبریں موجود ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہ قلعہ کے باشندوں کے لئے عام قبرستان کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔

مندر

حاجی رتن کے مقبرے کے نیچے مغربی سمت، غلام علی شاہ صاحب کے پائیتیں ایک مندر رہے، جو انگریزی دور ۱۸۳۲ء میں بنایا گیا، جو صرف ایک چبوترے کی شکل میں ہے، اس کی دیواریں نہیں ہیں۔

قدیم مسجد

اسی احاطے میں غلام علی شاہ صاحب کے مقبرے کے دروازے کے بالکل سامنے ایک قدیم مسجد ہے جس کی اب قبلے کی جانب والی دیوار اور چبوترے کی بنیادیں نظر آتی ہیں، قبروں سے حد سے زیادہ عقیدت رکھنے والوں نے تو اس مسجد کے صحن میں بھی دوسری قبروں کے پتھر لا کر قبریں بنا دیں ہے۔

ڈوئیلا (باوڑی)

حاجی رتن شاہ کے مقبرے کی مغربی سمت میں پانی کا ایک بڑا چوکور کنوان جو تقریباً ۵۰/فٹ لمبا اور ۵۰/فٹ چوڑا ہے، اور کافی گہرا ہے، اسے مقامی زبان میں ڈوئیلا کہا جاتا ہے، قلعے میں پانی کا یہی ایک واحد ذریعہ اور مخزن ہے، اس کے چاروں طرف دھانے بنے ہوئے تھے، جو اب تقریباً مٹ گئے ہیں، اس کے ایک طرف کا حصہ ملبے گرنے کی وجہ سے بالکل پر گیا ہے، کچھ سال پہلے تو اس طرف کی دیوار بھی نظر نہیں آتی تھی، لیکن تقریباً دس

بارہ سال پہلے اس کی کسی حد تک صفائی ہو گئی ہے، پانی تک پہونچنے کے کثیر تعداد میں سیڑھیاں بنائی گئی ہیں، نیچے پہونچنے کے بعد وحشت سی ہوتی ہے، اس کا پانی دیکھنے میں سبز نظر آتا ہے، سیاحت و تفریح کو جانے والے لوگ سیڑھیوں سے نیچے اتر کر اسی پانی کو پیتے ہیں اور اسی سے وضو کرتے ہیں اور یہی پانی کھانے وغیرہ بنانے میں استعمال کرتے ہیں۔

غیر مسقف مربع عمارت

ڈوئیلے کی جنوبی جانب جہاں ڈوئیلے میں نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، ایک بغیر چھت کے پتھر کی چوکور عمارت بنی ہوئی ہے، جس کا صرف جنوبی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا دروازہ، کھڑکی یا روشندان نہیں ہے، پہلے اس پر چھت تھی یا نہیں؟ ایسا کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا ہے، یہ عمارت خود ایک معمہ بنی ہوئی ہے، اس کی بناوٹ اور اندر موجود پتھروں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک مقبرہ ہے، جس میں تین قبریں ہیں، لیکن بعض لوگوں نے خزانے کے لالچ میں ان قبروں کے پتھروں کو بھی توڑ ڈالا اور درہم برہم کر دیا ہے۔

رنگ محل

یہ محل حاجی رتن شاہ کے مقبرے سے اوپر کی طرف جاتے ہوئے موتی محل کی کی بناوٹ کا دو منزلہ ایک خوبصورت محل ہے، جسے رنگ محل کہا جاتا ہے، یہ قلعہ کا سب سے صاف ستھرا محل معلوم ہوتا ہے، اس کی بناوٹ موتی محل کی طرح تین طرفہ ہے، لیکن موتی محل جتنے اس میں کمرے نہیں ہیں اور نہ ہی اس میں تہہ خانے ہیں، نیز یہ رقبہ کے اعتبار سے بھی کافی چھوٹا ہے، اسے دیوانِ خاص بھی کہا جاتا ہے، ایک انگریزی رپورٹ کے مطابق نوابی خاندان کے آخری دور میں یہ یونس محمد خان کی رہائش گاہ تھی۔

بادل محل

رنگ محل سے تھوڑے اوپر چل کر ایک محل اور ہے جس کی بلندی کی وجہ سے اسے بادل محل کہا جاتا ہے، یہ محل گونڈ راجاؤں کے زمانے کا ہے، یہ پہاڑ کے بیچ میں سب سے اونچی جگہ واقع ہے، اس لئے یہ قلعہ کا سب سے اونچا محل ہے، یہ دو منزلہ عمارت ہے، اس کا دروازہ ایک طرف سے دوسری طرف پار ہوتا ہے، پہلی منزل میں دروازے کی دونوں طرف ایک ایک کمرہ ہے، اور دوسری منزل پر ایک لمبا ہال ہے جس کی چھت کا اکثر حصہ منہدم ہو گیا ہے، کھنڈرات کو دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ عمارت اصل عمارت کا صرف ایک حصہ ہے، اصل عمارت کافی بڑی تھی، اس عمارت کو عدالت بھی کہا جاتا ہے، اسی عمارت کی وجہ سے راحت گڑھ قلعہ

پھانسی محل یا جوگن.برج

بادل محل سے پیچھے کی طرف پہاڑ کے جنوب مغربی کنارے پر دوسرے.برجوں سے مختلف ایک.برج ہے، جسے جوگن.برج یا پھانسی محل کہا جاتا ہے، یہ.برج موت کی سزا یافتہ مجرموں کو پھانسی دینے کے لئے استعمال ہوتا تھا اس لئے اسے پھانسی محل کہا جاتا ہے، یہ پہاڑ کے بالکل کنارے پر بنا ہوا ہے، اور اس کے نیچے سے بینا ندی بہتی

ہے، لیکن اس وقت پہلے زمانے کے مقابلے ندی میں پانی کم بہتا ہے، اس لئے ندی اور پہاڑ کے درمیان کافی خلا موجود ہے، عام آدمی کا پھینکا ہوا پتھر بھی ندی تک نہیں پہونچ پاتا، ممکن ہے کہ پہلے زمانے میں پانی کافی زیادہ رہتا ہو جس کی وجہ سے دونوں کا درمیانی فاصلہ اتنا زیادہ نہ ہو جتنا اب ہے اور مجرم کو منجنیق کے ذریعہ پھینکا جاتا ہو، جس سے وہ سیدھا پانی میں جا گرتا ہو، ایک خاص بات اس برج کی یہ ہے کہ یہ برج اک دیوار کے ذریعے بادل محل سے مربوط ہے۔

مطبخ و دیگر کھنڈرات

ان عمارتوں کے علاوہ قلعے کے اندر بہت سے کھنڈرات ہیں جن میں سے کچھ کی آدھی دیواریں باقی ہیں اور کچھ کی صرف بنیادیں نظر آتی ہیں، موتی محل سے متصل کھنڈروں میں سے ایک کو مطبخ بھی بتایا جاتا ہے۔
کچھ کھنڈرات کی تصویریں ذیل میں شامل کی جاتی ہیں۔

ـ ایک خاص قسم کی برطانوی فوج۔

ـ ایک قسم کا ہلکا پھلکا تیز چلنے والا اور سرعت کے ساتھ فائر کرنے والا توپ خانہ۔

ـ فوج کا وہ دستہ جو پل بنانے، قلعوں کی چہار دیواری کو منہدم کرنے، راستے بنانے، بارودی سرنگ بچھانے، میدان دفاع تیار کرنے وغیرہ کے لیے ہوتا ہے۔

ـ توپ خانے، مارٹر سسٹم، راکٹ لانچر وغیرہ کے مکمل نظام کو فیلڈ بیٹری کہا جاتا ہے۔

ـ فوج کا ایک مخصوص حصہ جو فوجی قوت کے ساتھ نقل و حمل کے لیے استعمال ہوتا ہے اسے ٹرینبیگیج کہا جاتا ہے اور جب اس کو محاصرے کے لیے استعمال کیا تا ہے تو اسے سیج ٹرین کہا جاتا ہے۔

ـ جس راستے سے یہ لوگ قلعے سے باہر نکلے تھے انگریز اس کو دیکھ کر حیرت کرتے تھے کہ جس جگہ آدمی کا پیدل چلنا مشکل ہے، اس جگہ سے یہ لوگ ثیر تعداد میں مرد وعورتیں، بچے سبھی رات کے آخری حصے میں کیسے نکلے ہوں گے، قلعے سے نکلتے ہوئے ایک دو آدمی گر بھی گئے تھے جن کی صبح کے وقت کچلی وئی لاشیں ملیں۔